جامعہ حقانیہ کا ترجمان

ساہیوال
سرگودھا

مجلّہ الحقانیہ

جلد ۳ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ ○ فروری ۲۰۰۸ء شمارہ ۲



بانی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی قدس سرہٗ

صفر المظفر ۱۴۲۹ھ فروری ۲۰۰۸ء

فہرست

☆☆☆☆☆☆☆

کلمۃ الحق مفتی سید عبدالقدوس ترمذی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ بحران کے حل کیلئے قابل عمل تجاویز

آج کل پاکستان جن سنگین حالات سے دوچار ہے اس کی مثال پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ میں نہیں ملتی، اس وقت ملک میں کئی قسم کے بحران ہیں، ایک عام شہری بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہے اوراس کیلئے زندگی گزارنا مشکل ہورہا ہے، کسی کی بھی جان، مال اورعزت محفوظ نہیں ہے، خودکش حملے، بم دھماکے اورخانہ جنگی کی کیفیت پیدا کی جارہی ہے، روشن خیالی اوراعتدال پسندی کے نام سے ملک کوبڑی تیزی سے بے دینی کی طرف دھکیلا جارہا ہے، عریانی، بے حیائی اورفحاشی کے سیلاب کو روکنے کی بجائے باقاعدہ اس کی سرپرستی کی جارہی ہے، حدود اللہ میں تحریف اورترمیم کرکے حکومت خدائی عذاب کودعوت دے رہی ہے، عدل وانصاف فراہم کرنے والی عدلیہ سے داد انصاف دینے والوں کورخصت کیا جارہا ہے، امریکہ کوخوش کرنے کیلئے دینی مدارس کو بے جاہدف وتنقید کانشانہ بنایا جارہا ہے۔ اس کربناک صورت حال سے ملک دشمن عناصر کوجوفائدہ پہنچ رہا ہے وہ کسی عقل منداورذی شعور سے مخفی نہیں، خدانخواستہ اگرملک کی صورت حال اسی طرح رہی تو آئندہ جوحالات ہوسکتے ہیں ان کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ موجودہ ناگفتہ بہ صورت حال کے کچھ ظاہری اسباب گزشتہ سطور میں عرض کردیئے گئے ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت کچھ اسباب ہوسکتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ مرض کی تشخیص کے ساتھ اس کاعلاج بھی تجویز کیا جائے تاکہ اس پرعمل کے بعد مرض کاازالہ ہوکر شفائے کلی حاصل ہو۔ حق تعالیٰ مختلف مکاتب فکر کے ان جید علماء کرام اورفقہاء عظام کو جزائے خیر عطا فرمائیں جنہوں نے ہرطرح کے مفادات سے بالاتر ہوکر اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے موجودہ حالات اوربحران سے نجات کیلئے مؤثر اورواجب العمل تجاویز پیش فرمائیں۔ حکومت کافرض ہے کہ حضرات علماء کرام نے جس جذبہ صادقہ اورخلوص وہمدردی کی بناپرانہیں پیش کیا ہے وہ بھی انہی مقاصد کے پیش نظر انہیں فوری طورپرقبول کرے تاکہ ملک میں امن قائم ہو اورتمام بحرانوں سے باشندگان مملکت کونجات حاصل ہو۔ یہ دس نکاتی فارمولا قومی اخبارات میں بھی شائع ہوچکا ہے، قارئین

الحقانیہ کے ملاحظہ کیلئے اب وہ دس نکات پیش خدمت ہیں۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا خصوصی فضل فرمائیں اور ہمارے حالات کو بہتر فرما کر ملک کو استحکام اور ہمیں ہر طرح کے بحران سے نجات عطا فرمائیں، آمین ۔ فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ ۲۲ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

ملکی صورت حال پر ملک کے ممتاز علماء کرام کی تجاویز

(۱) ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے نام پر ہم نے جس طرح آنکھ بند کر کے امریکہ کی حکمت عملی اختیار کی ہے اس کے بارے میں اس حقیقت کا دل سے اعتراف کیا جائے کہ وہ قطعی طور پر ناکام ہو چکی ہے، اس پالیسی نے ہمیں دیا کچھ نہیں بلکہ ہمارا بہت کچھ چھین لیا ہے ۔ ہمارے اندرونی خلفشار کا بھی یہ ایک بنیادی سبب ہے اور اس کے نتیجے میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا وطن عزیز ہی داؤ پر لگ گیا ہے، اس پالیسی میں دینی اور زمینی حقائق کی روشنی میں وسیع تر مشاورت کے ذریعے بلا تاخیر تبدیلی لائی جائے ۔

(۲) شمالی علاقہ جات اور آزاد قبائل میں فوجی کارروائیاں فوری طور پر بند کر کے وہاں کی شورش کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور وہاں کے رہنماؤں سے اس پر کھلے دل کے ساتھ مذاکرات کئے جائیں اور ان کے جائز مطالبات کو وہ اہمیت دی جائے جس کے وہ مستحق ہیں ۔

(۳) اس حقیقت کا ادراک کیا جائے کہ اصل میں طالبان دہشت گرد نہیں ہیں اور نہ ان میں سب لوگ انتہاپسند اور جذباتی ہیں، اُن میں ایسے عناصر موجود ہیں جن سے معقولیت کے ساتھ بات چیت ہو سکتی ہے ۔

(۴) شمالی علاقہ جات اور آزاد قبائل کے معتدل علماء اور خوانین خونریزی کے حق میں نہیں ہیں، لیکن ان کی بات مشتعل عناصر میں اس لئے مؤثر نہیں ہو رہی کہ حکومت کی طرف سے مسلسل خلاف اسلام پالیسیاں جاری رہی ہیں اور اُن کی موجودگی میں ان معتدل علماء اور خوانین کی طرف سے عدم تشدد کی اپیلیں بے اثر ہیں، کیونکہ تشدد رکوانے کیلئے ان کے ہاتھ میں کوئی ایسی مثبت بات نہیں ہے جو وہ ان مشتعل عناصر کے سامنے پیش کر کے سرخرو ہو سکیں ۔ اگر حکومت لوگوں کے دلوں میں یہ اعتماد پیدا کر سکے کہ اب وہ اپنی پالیسیاں مرتب کرتے وقت واشنگٹن کی چشم و ابرو کا اشارہ دیکھنے کی بجائے ملک وملت

کے مفاد پر نظر رکھے گی، اپنے ہم وطنوں کے خلاف فوجی کارروائیاں بند کرے گی اور اپنی خلاف اسلام پالیسیوں کو ختم کردے گی، اور اس غرض کیلئے عملی اقدامات بھی کر کے دکھائے جائیں اور انہیں مؤثر طور پر جاری رکھا جائے تو یہ معتدل عناصر، جذباتی عناصر کی ایک بڑی تعداد کو شورش سے باز رکھ سکتے ہیں۔

(۵) اس حقیقی کوشش کے باوجود اگر کچھ لوگ شورش پر آمادہ رہیں تو اولاً ان کی آواز اتنی مؤثر نہیں رہے گی، اور دوسرے معتدل حلقوں کی طرف سے ان کے خلاف کھل کر اعلان براءت ممکن ہوگا اور عام تائید کے فقدان کے بعد یہ شورش خود بخود دب جائے گی۔

(۶) بلوچستان کے لوگوں کے کچھ حقیقی مسائل اور مطالبات ہیں جو بڑی حد تک انصاف پر مبنی ہیں، ان مطالبات کو ملک دشمنی سے تعبیر کر کے ان کے خلاف فوجی آپریشن کسی بھی طرح دانشمندی نہیں ہے، وہاں کے رہنماؤں سے ایک مرتبہ پھر سنجیدہ اور بامعنی مذاکرات کا سلسلہ شروع کر کے وہاں کی شورش پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے۔

(۷) پچھلے چند روز میں صدر مملکت کی طرف سے امریکہ کے بارے میں پہلی بار کچھ ایسے جرأت مندانہ بیانات آئے ہیں جو قومی غیرت کے عین مطابق ہیں اور ان سے عوام کے دلوں کو کچھ حوصلہ ملا ہے۔ ان بیانات کو صرف لفظی بیانات کی حد تک محدود رکھنے کی بجائے ان کو آئندہ اپنی عملی پالیسی کی بنیاد بنانے کی ضرورت ہے۔

(۸) ملک میں سیاسی استحکام اور مذکورہ بالا اقدامات کو مؤثر بنانے کیلئے قومی اتفاق رائے بھی نہایت ضروری ہے، اس اتفاق رائے کو حاصل کرنے کیلئے صدر مملکت کو پہل کرنی ہوگی، ان پر یہ فریضہ سب سے زیادہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے بلند ہو کر تمام طبقۂ خیال کے لوگوں کو جمع کریں، اور اگر اختلافات کو ختم کرنے کیلئے موجودہ سیاسی ڈھانچے میں جوہری تبدیلیاں کرنی پڑیں، انتخابات کو قابل اطمینان بنانے کیلئے سیاسی رہنماؤں کے جائز مطالبات کو تسلیم کرنا پڑے، خواہ وہ صدر صاحب کی پہلے اعلان شدہ پالیسی کے خلاف ہوں، تو ملک وملت کی سالمیت اور ملک میں سیاسی استحکام کی خاطر ان کو گوارا کریں۔

(۹) سیاسی رہنماؤں سے بھی ہماری درخواست ہے کہ وہ اس موقع پر ملک کو بچانے کیلئے سیاسی عداوتوں کو فراموش کر کے کم سے کم نکات پر متفق ہوں جو ملک کی بقاء کیلئے ضروری ہیں۔

(۱۰) موجودہ تہہ در تہہ بحرانوں کے حل کیلئے ہماری دیانتدارانہ رائے یہ ہے کہ عدلیہ کو آئین کے

تقاضوں کے مطابق بحال کر کے جملہ ماورائے آئین اقدامات کو منسوخ کیا جائے، ان مقاصد کے حصول کیلئے مناسب یہی ہے کہ صدر پرویز مشرف ملک وملت کی خاطر مستعفی ہوجائیں، یہ ان کیلئے ایک باوقار طریقہ ہوگا، جس کا اس منصب کے شایان شان راستہ یہ ہے کہ وہ آئین کے مطابق صدارت کا منصب سینیٹ کے چیئرمین کے حوالے کریں، اور وہ تمام سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لے کر معینہ تاریخ کو شفاف انتخابات کرا کر اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کردیں۔

ہمارا تعلق کسی سیاسی جماعت سے ہے اور نہ ہی ہمارا کوئی سیاسی ایجنڈا ہے، اس لئے یہ تجویز کسی مخاصمت یا کسی ذاتی یا گروہی وسیاسی مقصد پر مبنی نہیں ہے، بلکہ ملک وملت اور خود صدر پرویز مشرف صاحب کی خیر خواہی پر مبنی ہے، انہوں نے آئین سے ماورا جن اقدامات کے ذریعے صدارت کا عہدہ حاصل کیا ہے وہ کبھی ملک میں دیرپا استحکام پیدا نہیں کرسکتے، ان کی وجہ سے انہیں جلد یا بدیر یہ عہدہ چھوڑنا ہوگا، لیکن اس وقت بہت دیر ہوچکی ہوگی۔ اس کے برعکس اگر وہ رضاکارانہ طور پر ملک وملت کی خاطر یہ اقدام کریں تو ایک طرف ان کا وقار بلند کرنے کا ذریعہ بنے گا، دوسری طرف ملک موجودہ سیاسی بحران سے نکل کر پٹری پر آجائے گا، اور امید یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں شورش زدہ علاقوں میں بھی فوری بہتری آئے گی۔ ابھی وقت ہے کہ ان خطوط پر نیک نیتی سے کام شروع کر کے ملک وملت کو اس گرداب سے نکالا جاسکتا ہے۔

اسماء گرامی تائید کنندگان علماء کرام

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب، پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب، حضرت علامہ سید عظمت علی شاہ ہمدانی صاحب، حضرت مولانا حافظ محمد سلفی صاحب، حضرت مولانا نعیم الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا عبیداللہ صاحب، حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحب، حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب، حضرت مولانا انوارالحق صاحب، حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب، حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب، حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد صاحب، حضرت مولانا غلام الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب، حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب، حضرت مولانا فداء الرحمٰن درخواستی صاحب، حضرت مولانا عبدالغفار صاحب، حضرت مولانا قاری ارشد عبید صاحب، حضرت مولانا محمد اکرم کاشمیری صاحب، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب، حضرت مولانا عبدالمالک صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد زاہد صاحب۔

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ بقرہ کے دوسرے رکوع کی پہلی تین آیتوں سے جو احکام ومسائل معلوم ہورہے ہیں ان میں یہ احکام نمایاں ہیں:

کفرو اسلام کی حقیقت، کفروایمان کا ضابطہ، جھوٹ کی قباحت اور شناعت، حق تعالیٰ اور اس کے نیک بندوں سے براسلوک کرنا، نیز جھوٹ کا وبال اور یہ کہ منافقین عہد نبوی کے ساتھ خاص تھے یا اب بھی ہیں، ان مسائل کے ضمن میں اہل قبلہ کی تکفیر وعدم تکفیر کا حکم بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔

معارف القرآن میں ان عنوانات کے تحت یہ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے:

اس معاملہ میں صحیح یہ ہے کہ منافق کے نفاق کو پہچاننا اور اس کو منافق قرار دینا دو طریقوں سے ہوتا تھا، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بذریعہ وحی بتلادیا کہ فلاں شخص دل سے مسلمان نہیں منافق ہے، دوسرے یہ کہ اس کے کسی قول وفعل سے کسی عقیدۂ اسلام کے خلاف کوئی بات یا اسلام کی مخالفت کا کوئی عمل ظاہر اور ثابت ہوجائے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد انقطاع وحی کے سبب ان کے پہچاننے کی پہلی صورت تو باقی نہ رہی مگر دوسری صورت اب بھی موجود ہے، جس شخص کے کسی قول وفعل سے اسلامی قطعی عقائد کی مخالفت یا ان پر استہزاء یا تحریف ثابت ہوجائے مگر وہ اپنے ایمان واسلام کا مدعی بنے تو وہ منافق سمجھا جائے گا، ایسے منافق کا نام قرآن کی اصطلاح میں ملحد ہے اَلَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا (۴۱:۴۰) اور حدیث میں اس کو زندیق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، مگر چونکہ اس کا کفر دلیل سے ثابت اور واضح ہوگیا اس لئے اس کا حکم سب کفار جیسا ہوگا، الگ کوئی حکم اس کا نہیں ہے، اسی لئے علماء امت نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد منافقین کا قضیہ ختم ہوگیا، اب جو مومن نہیں وہ کافر کہلائے گا۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے ''عمدہ'' شرح بخاری میں نقل کیا گیا ہے کہ بعد زمانہ نبوت کے نفاق کی یہی صورت ہے جس کو پہچانا جاسکتا ہے اور ایسا کرنے والے کو منافق کہا جاسکتا ہے۔

آیات مذکورہ میں غور کرنے سے ایمان واسلام کی پوری حقیقت واضح ہوجاتی ہے اور اس کے بالمقابل کفر کی بھی، کیونکہ ان آیات میں منافقین کی طرف سے ایمان کا دعویٰ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ میں اور قرآن کریم کی طرف سے اس دعوے کا غلط ہونا وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ میں ذکر کیا گیا ہے۔

یہاں چند باتیں غور طلب ہیں:

اول یہ کہ جن منافقین کا حال قرآن کریم میں بیان فرمایا گیا ہے وہ اصل میں یہودی تھے اور اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان لانا یہود کے مذہب میں بھی ثابت اور مسلم ہے، اور جو چیز ان کے عقیدہ میں نہیں تھی یعنی رسول اللہ ﷺ کی رسالت ونبوت کو ماننا اور آپ ﷺ پر ایمان لانا اس کو انہوں نے اپنے بیان میں ذکر نہیں کیا بلکہ صرف دو چیزیں ذکر کیں ایمان باللہ، ایمان بالیوم الآخر جس میں ان کو جھوٹا نہیں کہا جاسکتا، پھر قرآن کریم میں ان کو جھوٹا قرار دینا اور ان کے ایمان کا انکار کرنا کس بناء پر ہے؟

بات یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنی من مانی صورتوں میں خدا تعالیٰ یا آخرت کا اقرار کرلینا ایمان نہیں، یوں تو مشرکین بھی کسی نہ کسی انداز سے اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور سب سے بڑا قادر مطلق مانتے ہیں، اور مشرکین ہندوستان تو پرلو کا نام دے کر قیامت کا ایک نمونہ بھی تسلیم کرتے ہیں، مگر قرآن کی نظر میں یہ ایمان نہیں، بلکہ صرف وہ ایمان معتبر ہے جو قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کے بتلائے ہوئے حالات واوصاف کے ساتھ ہو۔

ظاہر ہے کہ یہود اس معنی کے اعتبار سے نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت پر، کیونکہ ایک طرف تو وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں، اور آخرت کے معاملہ میں بھی یہ غلط اعتقاد رکھتے ہیں کہ انبیاء کی اولاد کچھ بھی کرتی رہے وہ بہر حال اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے، ان سے آخرت میں کوئی باز پرس نہ ہوگی، اور کچھ عذاب ہوا بھی تو بہت معمولی ہوگا، اس لئے قرآنی اصطلاح کے اعتبار سے ان کا یہ کہنا کہ ہم اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائے ہیں غلط اور جھوٹ ہوا۔

درس حدیث

رحمۃ الفردوس ترجمہ بہجۃ النفوس

مؤلف: حضرت امام حافظ ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی رحمہ اللہ

مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

حدیث لیلۃ القدر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لیلۃ القدر میں بوجہ ایمان اور طلب ثواب کے قیام کرے اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

شرح

یہ حدیث صاف طور سے شب قدر کی فضیلت پر دلالت کررہی ہے اور اس کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں۔

نماز عشاء کے بعد نوافل پڑھ لینا بھی قیام لیل ہے

(۳۵) حدیث کا یہ لفظ ''جو لیلۃ القدر میں قیام کرے'' اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ پوری رات کا قیام مراد ہو، یا کسی خاص حصہ کا، اگر خاص حصہ کا قیام مراد ہے تو اس میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قیام رمضان کی طرح اول شب کا قیام مراد ہو جو نماز عشاء کے بعد ہوتا ہے (کیونکہ احادیث میں قیام رمضان کی جو فضیلت وتاکید وارد ہے حضرات صحابہ نے اس کو اول شب میں بعد عشاء کے تراویح کی صورت سے ادا کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ (عشاء کے بعد نماز پڑھنے کو بھی قیام لیل کہا جاتا ہے کیونکہ صحابہ سے زیادہ حضور کی مراد کون سمجھ سکتا ہے) دوسرے یہ کہ آخر شب کا قیام مراد ہو جسے تہجد کہتے ہیں اور حضور نے توسعا (ومجازا) اس کو قیام سے تعبیر فرمادیا جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قم اللیل الا قلیلا کہ رات کو قیام کیا کیجئے سوائے تھوڑے حصہ کے، اور اس (قیام) سے مراد تہجد ہے کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام (کچھ دیر) سونے کے بعد[1] ہی ہوتا تھا اور لغت میں اسی کا نام تہجد

---

(۱) قلت ولی فیہ نظر لحدیث عائشۃ فی الصحیح من کل اللیل قد اوتر کان یوتر اولہ واوسطہ ثم انتہی وترہ الی السحر ای اخر اللیل او کما قلت والمراد بلا تبار قیام اللیل وکان ﷺ یجعل اخر صلوۃ باللیل وترا کما امر بہ فافہم ۱۲ ظ۔

ہے، اور جس قیام میں اس وقت بحث ہے اس میں یہ سب احتمالات (جاری) ہیں مگر زیادہ ظاہر واللہ اعلم یہ ہے کہ اس سے مراد تہجد ہے جو سونے کے بعد ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو اختیار کیا ہے اور آپ کا دائمی عمل یوں ہی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی صورت اختیار فرماتے تھے جو افضل واولیٰ اور سب سے راجح ہو، اگر اس کے سوا کوئی صورت افضل ہوتی تو آپ اسی کو اختیار فرماتے اور مفضول (وادنیٰ) کو چھوڑ دیتے (الوجه الاول قوله عليه السلام من يقم الى قوله وترك المفضول)

ف: اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد کچھ نماز نفل پڑھ لینے سے بھی قیام لیل ادا ہو جاتا ہے، اس پر حضرت حکیم الامت نے بارہا تنبیہ فرمائی ہے اور بہت لوگ اس سے غافل ہیں اور یہ غفلت بعض دفعہ ان کو ثواب تہجد سے محروم کر دیتی ہے جبکہ رات کو آنکھ کھلنے کا بھروسہ نہ ہو ۱۲۔

سنت کے موافق ۱۱یا۱۳ رکعات کے ساتھ تہجد پڑھنا رات بھر نماز پڑھنے سے افضل ہے

(۳۶) (تہجد میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام گیارہ رکعات یا تیرہ رکعات کے ساتھ باختلاف روایات ثابت ہوا ہے، آپ نے رمضان یا غیر رمضان میں اس پر زیادتی نہیں فرمائی، تو اب سوال یہ ہے کہ شب قدر میں اتنا قیام کفایت کا ادنیٰ درجہ ہے یا انتہائی درجہ ہے، سو ظاہر یہ ہے کہ قیام (شب قدر) کا انتہائی درجہ یہی ہے (جو حضور سے ثابت ہے) جس کی دو دلیلیں ہیں، ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات مقدسہ کیلئے اعلیٰ اور بہتر (صورت) ہی اختیار فرماتے تھے، اعلیٰ درجہ کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ اختیار نہ فرماتے تھے۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کے ساتھ قیام کرے تو وہ دونوں اس کو کافی ہیں اور ایک روایت میں سورۂ آل عمران کے آخر کا ذکر ہے اور کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو آیتیں قیام لیل سے کفایت کریں گی اور اس شخص کو تہجد گزار کہا جائے گا، اور جب ہم نے یہ مان لیا کہ اس کو تہجد حاصل ہو گیا جس کو (حدیث میں) قیام (لیل) کہا گیا ہے تو (ان دو آیتوں کو دو رکعتوں میں پڑھنے ہی سے) اس کو وہ ثواب مل گیا جو اُسے ہزار مہینوں (کی عبادت) سے افضل ہے جن میں شب قدر نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے (پس قیام شب قدر کا ادنیٰ درجہ تو یہ ہوا کہ سورۂ بقرہ یا آل عمران کی دو آیتوں سے دو رکعتیں پڑھی جائیں اور جو درجہ حضور نے اختیار فرمایا ہے وہ اعلیٰ درجہ ہے)

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

O فرمایا "ابریز" ایک بزرگ عبدالعزیز دباغ مصری کے مقالات وحالات کی کتاب ہے، یہ بالکل امی تھے مگر احادیث کی نہایت صحیح شرح کرتے تھے۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھ کو کلام اللہ اور کلام رسول اور کلام امتی میں فرق معلوم ہوجاتا ہے۔ اس کا امتحان کرنے کیلئے ایک شخص نے حدیث کا یہ ٹکڑا پڑھا حافظوا علی الصلوات والصلٰوۃ الوسطٰی وصلٰوۃ العصر اس کو سن کر فرمایا صلٰوۃ العصر قرآن نہیں ہے۔ اس کا معیار یہ فرمایا کہ قرآن اور حدیث کے تلفظ کرنے کے وقت متکلم کے منہ سے ایک قسم کا نور نکلتا ہے، پھر اس نور میں فرق ہوتا ہے ایک قدیم ہے دوسرا حادث، پہلا نور قرآن کا ہے دوسرا حدیث کا اور امتی کے کلام میں وہ نور خاص نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ ان بزرگ کو ایک خاص ادراک بھی ہوتا تھا کہ ان کے تعلق کے لوگوں میں ایک کو دوسرے سے جیسا تعلق محبت وغیرہ کا ہوتا تھا کہ وہ محبت جائز ہے یا ناجائز وہ بھی مکشوف ہوجاتا تھا اور اس کی وجہ یہ بتلاتے تھے کہ مجھے ایسے دونوں شخصوں کے درمیان ایک ڈورا سا متصل معلوم ہوتا ہے، پھر اگر اس میں نور ہے تو ان کی محبت جائز ہے اور اگر اس میں ظلمات ہیں تو ناجائز ہے۔

O ملفوظ بالا کے سلسلہ میں فرمایا مجھ کو بھی قرآن اور حدیث اور کلام سلف اور کلام متاخرین میں فرق معلوم ہوجاتا ہے۔

O فرمایا ایک شخص نے شیخ سے خواہش کی کہ آپ تصرف سے میری اصلاح کریں، انہوں نے فرمایا کہ مجاہدہ کرو، اس سے طالب کے دل میں شیخ کی نسبت سوءظن اور خلجان پیدا ہوا کہ شاید میرا شیخ ناقص ہے صاحب تصرف نہیں، شیخ کو کشف سے معلوم ہوگیا اس سے کہا کہ ایک مٹکا پانی کا بھر کر مسجد کے دروازہ پر رکھ دو اور خود ایک پچکاری لے کر بیٹھ گئے، جو شخص مسجد کے دروازے کے سامنے سے گزرتا اس پر پچکاری سے پانی پھینک دیتے وہ فوراً کلمہ پڑھنے لگتا، سینکڑوں ہندو کلمہ پڑھنے لگے، لیکن وہ اثر کچھ دیر بعد زائل ہوجاتا تھا، اس وقت وہ لوگ پھر ویسے ہی ہوجاتے۔ پھر مرید کو بلا کر فرمایا کہ دیکھا

اللہ تعالیٰ نے کیسا تصرف عطا فرمایا ہے لیکن تجھ کو بدون مجاہدہ کے کچھ نہ ملے گا۔

اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ تصرف سے صرف استعداد قریب پیدا ہو جاتی ہے ،باقی کامیابی اپنے ہی کام کرنے سے ہوتی ہے۔اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسا مٹی کا ڈھیلا سخت ہو تو اس پر پانی ڈال دینے سے آسانی سے ٹوٹ سکتا ہے ،لیکن اگر اس کو گیلا ہونے کی حالت میں توڑا نہ گیا اور اسی حالت میں خشک ہو گیا تو وہ پھر ویسا ہی سخت ہو جائے گا۔اب تو لوگ یوں چاہتے ہیں کہ کرنا کچھ نہ پڑے اور مزہ آنے لگے،اس راستہ میں مزہ بھی آتا ہے مگر اول اول تو مشقت ہی اٹھانا پڑتی ہے ع

چند روزے جہد کن باقی بخند

O فرمایا طریق میں مقصود تحصیل اعمال ہے نہ کہ تسہیل،لوگ تسہیل ہی کو مقصود سمجھتے ہیں۔ہاں فن میں طرق تسہیل بھی ہیں مگر اس تسہیل کا اصل طریق بھی تحصیل ہی ہے،یعنی اس کو بار بار کرنا عمل کو بار بار کرنے سے تسہیل بھی ہو جاتی ہے جیسا مثلاً ایک آیت کو بار بار تلاوت کرنے سے حفظ ہو جاتی ہے اور پھر پڑھنے میں تسہیل ہو جاتی ہے،باقی دوسرے طرق تسہیل مختلف ہیں جن کا تجویز کرنا شیخ کا کام ہے مگر شروع میں تو شیخ یہی کہے گا کہ محنت کرو تسہیل کی تدبیر بتلانا ہمارے ذمہ نہیں،جب وہ کام میں لگا ہوا دیکھے گا آپ ہی تسہیل کی تدبیر بتلائے گا۔

O (ایک شخص کو ارشاد) فرمایا جاؤ دوبارہ کتب درسیہ پڑھو،اور جو میں نے کہا ہے اس کو خوب سوچو،اور قرآن شریف کی تعلیم کا یہی طرز ہے،دیکھئے آیت ان تقوموا للّٰہ مثنٰی وفرادٰی ثمّ تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ میں چار امر ذکر فرمائے ہیں،پہلے ان تقوموا جس کا حاصل معنی ہے مستعد ہو جاؤ،کوشش کرو،محنت کرو۔دوسرا امر ہے للّٰہ جس کا مطلب ہے اغراض نفسانیہ سے خالی الذہن ہو کر سوچو،عداوت تعصب نہ ہو۔تیسرا امر ہے مثنٰی وفرادٰی جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ تحصیل مقصود میں استعانت بالغیر کی حاجت ہوتی ہے اور بعض دفعہ تنہائی ذہن کی رسائی میں مفید ہوتی ہے اور دوسرے کے ملنے سے تشویش ہوتی ہے۔چوتھا امر ہے ثمّ تتفکروا کہ پھر اس کو سوچو۔اور یہ سب امور شرائط ہیں،مگر ایک مانع کا احتمال ہو سکتا تھا کہ شاید کہیں قائل یہ تقریر خودغرضی کیلئے نہ کر رہا ہو،اس کو اگلی آیت میں اٹھا دیا کہ قل ما سألتکم من اجر فھو لکم۔پس جب شرائط پائے گئے اور مانع مرتفع ہو گیا تو حق واضح ہو جائے گا۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی قدس سرہ

انتخابات میں ووٹ، ووٹر اور امیدوار کی شرعی حیثیت

آج کی دنیا میں اسمبلیوں، کونسلوں، میونسپل وارڈوں اور دوسری مجالس اور جماعتوں کے انتخابات میں جمہوریت کے نام پر جو کھیل کھیلا جارہا ہے کہ زور وزر اور غنڈہ گردی کے سارے طاغوتی وسائل کا انتخاب کر کے یہ چند روزہ موہوم اعزاز حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے عالم سوز نتائج ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہیں اور ملک وملت کے ہمدرد سمجھدار انسان اپنے مقدور بھر اس کی اصلاح کی فکر میں بھی ہیں لیکن عام طور پر اس کو ایک ہار جیت کا کھیل اور خالص دنیاوی دھندا سمجھ کر ووٹ لئے اور دیئے جاتے ہیں، لکھے پڑھے دیندار مسلمانوں کو بھی اس طرف توجہ نہیں ہوتی کہ یہ کھیل صرف ہماری دنیا کے نفع، نقصان اور آبادی یا بربادی تک نہیں رہتا بلکہ اس کے پیچھے کچھ طاعت ومعصیت اور گناہ وثواب بھی ہے جس کے اثرات اس دنیا کے بعد بھی یا ہمارے گلے کا ہار عذاب جہنم بنیں گے، یا پھر درجات جنت اور نجات آخرت کا سبب بنیں گے۔

اور اگر چہ آج کل اس اکھاڑہ کے پہلوان اور اس میدان کے مرد عام طور پر وہی لوگ ہیں جو فکر آخرت اور خدا اور رسول کی طاعت ومعصیت سے مطلقاً آزاد ہیں اور اس حالت میں ان کے سامنے قرآن وحدیث کے احکام پیش کرنا ایک بے معنی وعبث فعل معلوم ہوتا ہے لیکن اسلام کا ایک یہ بھی معجزہ ہے کہ مسلمانوں کی پوری جماعت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوتی، ہر زمانہ اور ہر جگہ کچھ لوگ حق پرست بھی قائم رہتے ہیں جن کو اپنے ہر کام میں حلال وحرام کی فکر اور خدا اور رسول کی رضا جوئی پیش نظر رہتی ہے، نیز قرآن کریم کا یہ بھی ارشاد ہے وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ یعنی آپ نصیحت کی بات کہتے رہیں کیونکہ نصیحت مسلمانوں کو نفع دیتی ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ انتخابات میں امیدواری اور ووٹ کی شرعی حیثیت اور ان کی اہمیت کو قرآن اور سنت کی رو سے واضح کر دیا جائے شاید کچھ بندگان خدا کو تنبیہ ہو اور کسی وقت یہ غلط کھیل صحیح بن جائے۔

امیدواری

کسی مجلس کی ممبری کے انتخابات کیلئے جو امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو وہ گویا پوری ملت کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہے، ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے جس کا امیدوار ہے، دوسرے یہ کہ وہ دیانت و امانتداری سے اس کام کو انجام دے گا، اب اگر واقع میں وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے یعنی قابلیت بھی رکھتا ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبہ سے اس میدان میں آیا تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے اور بہتر طریق اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کر دے، اور جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہیں وہ اگر امیدوار ہو کر کھڑا ہو تو قوم کا غدار اور خائن ہے، اس کا ممبری میں کامیاب ہونا ملک و ملت کیلئے خرابی کا سبب تو بعد میں بنے گا پہلے تو وہ خود غدار اور خیانت کا مجرم ہو کر عذاب جہنم کا مستحق بن جائے گا۔ اب ہر وہ شخص جو کسی مجلس کی ممبری کیلئے کھڑا ہوتا ہے اگر اس کو کچھ آخرت کی بھی فکر ہے تو اس میدان میں آنے سے پہلے خود اپنا جائزہ لے لے اور یہ سمجھ لے کہ اس ممبری سے پہلے تو اس کی ذمہ داری صرف اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال ہی تک محدود تھی کیونکہ بنص حدیث ہر شخص اپنے اہل و عیال کا بھی ذمہ دار ہے، اور اب کسی مجلس کی ممبری کے بعد جتنی خلق خدا کا تعلق اس مجلس سے وابستہ ہے ان سب کی ذمہ داری کا بوجھ اس کی گردن پر آتا ہے اور وہ دنیا و آخرت میں اس ذمہ داری کا مسئول اور جواب دہ ہے۔

ووٹ اور ووٹر

کسی امیدوار ممبری کو ووٹ دینے کی از روئے قرآن و حدیث چند حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت شہادت کی ہے کہ وہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے اس کے متعلق اس کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت اور امانت بھی۔ اور اگر واقع میں اس شخص کے اندر یہ صفات نہیں ہیں اور ووٹر یہ جانتے ہوئے اس کو ووٹ دیتا ہے تو وہ ایک جھوٹی شہادت ہے جو سخت کبیرہ گناہ اور وبال دنیا و آخرت ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں رسول کریم ﷺ نے شہادت کاذبہ کو شرک کے ساتھ کبائر میں شمار فرمایا ہے (مشکوٰۃ) اور ایک دوسری حدیث میں جھوٹی شہادت کو اکبر کبائر فرمایا ہے (بخاری و مسلم)

جس حلقہ میں چند امیدوار کھڑے ہوں اور ووٹر کو یہ معلوم ہے کہ قابلیت اور دیانت کے اعتبار

سے فلاں آدمی قابل ترجیح ہے تو اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ووٹ دینا اس اکبر کبائر میں اپنے آپ کو مبتلا کرنا ہے۔

اب ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے، محض رسمی مروت یا کسی طمع وخوف کی وجہ سے اپنے آپ کو اس وبال میں مبتلا نہ کرے۔

دوسری حیثیت ووٹ کی شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے، اس سفارش کے بارہ میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہر ووٹر کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا یعنی جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا بھی حصہ لگتا ہے۔ اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے جو خلق خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے اور بری سفارش یہ ہے کہ نا اہل، نالائق، فاسق، ظالم کی سفارش کر کے اس کو خلق خدا پر مسلّط کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے پنج سالہ دور میں جو نیک یا بدعمل کرے گا ہم بھی اس کے شریک سمجھے جائیں گے۔

ووٹ کی ایک تیسری شرعی حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے، لیکن اگر یہ وکالت اس کے کسی شخصی حق کے متعلق ہوتی اور اس کا نفع، نقصان صرف اسی کی ذات کو پہنچتا تو اس کا یہ خود ذمہ دار ہوتا مگر یہاں ایسا نہیں کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے اس لئے اگر کسی نا اہل کو اپنی نمائندگی کیلئے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے، ایک شہادت دوسرے سفارش، تیسرے حقوق مشترکہ میں وکالت، تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک، صالح، قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں اس طرح نا اہل یا غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی، اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

ضروری تنبیہ

مذکورالصدر بیان میں جس طرح قرآن وسنت کی رو سے یہ واضح ہوا کہ نااہل، ظالم، فاسق اور غلط آدمی کو ووٹ دینا گناہِ عظیم ہے اسی طرح ایک اچھے، نیک اور قابل آدمی کو ووٹ دینا ثوابِ عظیم ہے بلکہ ایک فریضہ شرعی ہے۔ قرآن کریم نے جیسے جھوٹی شہادت کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح سچی شہادت کو واجب و لازم بھی فرمایا ہے، ارشادِ باری ہے کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُہَدَآءَ بِالْقِسْطِ، اور دوسری جگہ ارشاد ہے کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُہَدَآءَ لِلّٰہِ، ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ سچی شہادت سے جان نہ چرائیں، اللہ کیلئے ادائیگی شہادت کے واسطے کھڑے ہو جائیں۔ تیسری جگہ سورۂ طلاق میں ارشاد ہے وَاَقِیْمُوا الشَّہَادَۃَ لِلّٰہِ یعنی اللہ کیلئے سچی شہادت کو قائم کرو۔ ایک آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ سچی شہادت کا چھپانا حرام اور گناہ ہے، ارشاد ہے وَلَا تَکْتُمُوا الشَّہَادَۃَ وَمَنْ یَّکْتُمْہَا فَاِنَّہٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ یعنی شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے۔

ان تمام آیات نے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد کر دیا ہے کہ سچی گواہی سے جان نہ چرائیں، ضرور ادا کریں۔ آج جو خرابیاں انتخابات میں پیش آ رہی ہیں ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک، صالح حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے جس کا لازمی نتیجہ وہ ہوا جو مشاہدہ میں آ رہا ہے کہ ووٹ عموماً ان لوگوں کے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں، اور ان لوگوں کے ووٹوں سے جو نمائندے پوری قوم پر مسلط ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ کس قماش اور کس کردار کے لوگ ہوں گے، اس لئے جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار قابل اور نیک معلوم ہو اسے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی جرم اور پوری قوم وملت پر ظلم کا مرادف ہے۔ اور اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنی میں قابل اور دیانت دار نہ معلوم ہو مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت سے غنیمت ہو تو تقلیلِ شر اور تقلیلِ ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دے دینا جائز بلکہ مستحسن ہے، جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیلِ نجاست کو اور پورے ظلم کو دفع کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیلِ ظلم کو فقہاء رحمہم اللہ نے تجویز فرمایا ہے۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

خلاصہ یہ ہے کہ

انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا بھی حرام ہے

اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام، اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام، اس میں محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریے اور علم و عمل اور دیانتداری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے جس کام کیلئے یہ انتخابات ہو رہے ہیں، اس حقیقت کو سامنے رکھیں تو اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

(۱) آپ کے ووٹ اور شہادت کے ذریعہ جو نمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا وہ اس سلسلے میں جتنے اچھے یا برے اقدامات کرے گا ان کی ذمہ داری آپ پر بھی عائد ہوگی، آپ بھی اس کے ثواب یا عذاب میں شریک ہوں گے۔

(۲) اس معاملہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے، ثواب و عذاب بھی محدود و قومی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے، اس کا ادنیٰ نقصان بھی بعض اوقات پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے اس لئے اس کا ثواب و عذاب بھی بہت بڑا ہے۔

(۳) سچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے اس لئے آپ کے حلقۂ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل و دیانتدار نمائندہ کھڑا ہے تو اسی کو ووٹ دینے ہیں، کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۴) جو امیدوار نظامِ اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے اس کو ووٹ دینا ایک جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

(۵) ووٹ کو پیسوں کے معاوضہ میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے، دوسروں کی دنیا سنوارنے کیلئے اپنا دین قربان کر دینا کتنے ہی مال و دولت کے بدلے میں ہو کوئی دانشمندی نہیں ہو سکتی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسرے کی دنیا کیلئے اپنا دین کھو بیٹھے، واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

۲۰ رشعبان ۱۳۸۰ھ

(جواہر الفقہ ج ۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

انتخابی مہم کے دس منکرات

انتخابات کا ہنگامہ ہمارے معاشرے میں بے شمار گناہوں اور بدعنوانیوں کا ایک ایسا طوفان لے کر آتا ہے کہ جس کی ظلمت پورے ماحول پر چھا جاتی ہے اور اس میں شریعت، اخلاق، شرافت اور مروت کی بنیادوں پر متواتر اتنی ضربیں لگتی ہیں کہ پورا ملک لرز کر رہ جاتا ہے، ان گناہوں کے گناہ ہونے کا احساس بھی مٹتا جا رہا ہے، اور اقتدار کی ہوس اور کسی منصب تک پہنچنے کی حرص ہے جس کا جواز تلاش کرنے کیلئے بعض اوقات ملک وملت کی خیر خواہی کی معصوم تاویل کر لی جاتی ہے، حالانکہ حکومت واقتدار کے بارے میں قرآن وسنت کی ہدایات یہ ہیں کہ وہ کوئی پھولوں کی سیج نہیں ہے جس کی طرف لپکنے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کی جائے، بلکہ یہ دنیا وآخرت کی ذمہ داری کا وہ جوا ہے جسے گردن پر رکھنے سے پہلے انسان کو لرزنا ضرور چاہئے اور شدید مجبوری کے بغیر اپنے آپ کو اس آزمائش میں نہ ڈالنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خلافت کیلئے نامزد کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے ایک جواب یہ بھی دیا کہ:

''ذمہ داری کا طوق خطاب کے خاندان میں بس ایک ہی شخص (یعنی خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے گلے میں پڑ گیا تو کافی ہے، میں اپنے بیٹے کے گلے کو اس سے گرانبار نہیں کرنا چاہتا''۔

اگر کسی شخص کے دل میں واقعۃً اس گرانبار ذمہ داری کا کماحقہ احساس ہو تو بے شک اس کا جائز ذرائع سے اقتدار تک پہنچنا ملک وملت کی خیر خواہی کے جذبے سے ہوتا ہے جو اس کی ادا ادا سے جھلکتا ہے، اور اس کے نتیجے میں کبھی وہ خرابیاں، بدعنوانیاں اور گناہ وجود میں نہیں آتے جن کے زہریلے اثرات سے آج کی سیاسی فضا مسموم ہے۔

لیکن جب اقتدار کو ایک منفعت، ایک لذت اور ایک مادی مفاد سمجھ لیا جائے اور اسے حاصل کرنے کیلئے تن، من، دھن کی ساری طاقتیں لٹائی جانے لگیں تو یہ اقتدار کی وہ حرص ہے جس کے بطن سے خیر وفلاح برآمد نہیں ہو سکتی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ گناہوں، برائیوں، خودغرضیوں اور

بدعنوانیوں کو جنم دے کر معاشرے میں شر اور فساد کو پھیلاتا ہے۔

(۲) اسی شر اور فساد کا ایک حصہ یہ ہے کہ ہماری انتخابی مہمات میں ایک دوسرے پر الزام تراشی اور بہتان طرازی کو شیر مادر سمجھ لیا گیا ہے، اپنے مقابل کو چت کر کے اپنی فتح کا ہاتھ بلند کرنے کیلئے اس پر بلا تحقیق ہر قسم کا الزام عائد کرنا حلال، طیب قرار پا چکا ہے، بلکہ یہ اس سیاسی جنگ کا لازمی حصہ ہے جس کے بغیر سیاسی فتح کو ناممکن سمجھا جاتا ہے۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی برا ہو اس پر کوئی ایسا الزام عائد کرنا ہرگز جائز نہیں ہے جس کی سچائی کی مکمل تحقیق نہ ہو چکی ہو، لیکن انتخابی جلسوں کی شاید ہی کوئی تقریر اس قسم کے بلا تحقیق الزامات سے خالی ہوتی ہو جو بہتان کے کبیرہ گناہ میں داخل ہیں، اور پھر بعض اوقات اس بہتان طرازی کیلئے اتنی گھٹیا اور بازاری زبان استعمال کی جاتی ہے کہ وہ دشنام طرازی کا گناہ بھی سمیٹ لیتی ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مسلمان کی جان، مال اور آبرو کو کعبۃ اللہ سے زیادہ مقدس قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کی جان، آبرو پر نا روا حملہ کرنا (معاذ اللہ) کعبے کو ڈھانے سے بھی زیادہ سنگین گناہ ہے، لیکن انتخابی مہم کے جوش میں مد مقابل کا کعبۂ آبرو گلی گلی ڈھایا جاتا ہے اور اخباروں کے صفحات سے لے کر انتخابی جلسوں اور کارنر میٹنگز تک کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جو بہتان تراشی اور دشنام طرازی کی عفونت سے بدبودار نہ ہو۔

(۳) پھر چونکہ انتخابات کا موقع ایسا ہوتا ہے کہ کسی امیدوار کے بارے میں حقائق منظر عام پر لانے کی واقعی ضرورت بھی ہوتی ہے تاکہ عوام کو دھوکے اور نقصان سے بچایا جا سکے اس لئے کسی امیدوار کے حقیقی اوصاف بیان کرنے کی توجیہ کی جا سکتی ہے، لیکن اس کیلئے اول تو یہ ضروری ہے کہ کوئی بات ضروری تحقیق کے بغیر نہ کہی جائے اور دیانتداری اور انصاف سے ہر حال میں کام لیا جائے، دوسرے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ ناگوار فریضہ صرف بقدر ضرورت ہی انجام دیا جائے، اسے محض مزے لینے اور مجلس آرائی کا ذریعہ نہ بنایا جائے، ورنہ اگر وہ بہتان نہ ہو تب بھی غیبت کے اس گناہ عظیم میں داخل ہے جسے قرآن کریم نے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مجلس میں کسی شخص نے حجاج بن یوسف کی برائیاں بیان کرنی شروع کر دیں، حجاج کا ظلم وستم لوگوں میں مشہور تھا لیکن چونکہ اس مقام پر برائی کرنے کا کوئی

مقصد یا فائدہ نہیں تھا اس لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ :

''یہ غیبت ہے، اور اگر حجاج نے بہت سے لوگوں پر ظلم کیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب ہر شخص کیلئے اس کی غیبت حلال ہوگئی ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اگر حجاج سے بے گناہوں کے خون کا حساب لے گا تو اس کی ناروا غیبت کا بھی حساب لے گا۔

(۴) دوسرے کی برائی اور الزام تراشی کے علاوہ انتخابات میں کامیابی کیلئے یہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ منہ بھر بھر کر خود اپنی تعریف اور اپنی خدمات کا مبالغہ آمیز تذکرہ کیا جائے۔ یاد رکھئے! خودثنائی، نام ونمود اور دکھاوے کو مذہب واخلاق کے ہر نظام میں گناہ یا کم از کم برا ضرور سمجھا گیا ہے، لیکن ہماری انتخابی سیاست کے مذہب میں یہ عمل کسی قید وشرط کا پابند نہیں رہا۔

(۵) عوام کو ووٹ دینے پر مائل کرنے کیلئے یہ بھی لازمی سمجھ لیا گیا ہے کہ ان سے سوچے سمجھے بغیر خوشنما وعدے کئے جائیں، وعدہ کرتے وقت اس بات سے بحث نہیں ہوتی کہ ان کو پورا کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ اور اقتدار حاصل ہونے کے بعد وہ کس طرح روبعمل لائے جاسکیں گے؟ مسئلہ صرف یہ ہے کہ دعووں کے نیلام میں کس طرح دوسروں سے بڑھ چڑھ کر بولی لگائی جائے؟ ہم برسر اقتدار آ کر غریبوں کی قسمت بدل دیں گے، ہم پسماندہ علاقوں کو پیرس کا نمونہ بنا دیں گے، ہم ہر ضلع میں ایک ہائی کورٹ قائم کردیں گے، ہم غربت اور جہالت کا خاتمہ کردیں گے۔

اس قسم کے بلند وبانگ دعوے اخباری بیانات سے لے کر تقریروں تک ہر جگہ سنائی دیتے ہیں اور ان جھوٹے وعدوں اور دعووں کے ذریعے سادہ لوح عوام کو بیوقوف بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(۶) جلسے، جلوس اور اشتہار بھی انتخابی سرگرمیوں کا ایک اہم لازمی حصہ ہیں، اگر یہ جلسے، جلوس اخلاق وشرافت کی حدود میں ہوں تو ناجائز بھی نہیں، لیکن جلسوں، جلوسوں میں غنڈہ گردی روزمرہ کا معمول بن چکی ہے جس کے نزدیک سیاسی حریفوں کی جان، مال اور آبرو کوئی قیمت نہیں رکھتی، چنانچہ جس کا داؤ چل جائے وہ دوسروں کو زک پہنچانے میں کسر نہیں چھوڑتا۔

(۷) پھر بعض اوقات انتخابی جلسے، جلوس ایسے عام اور مصروف راستوں پر منعقد کئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے شہر کی آبادی کی نقل وحرکت محال ہوجاتی ہے اور ٹریفک کا ایک ایسا مسئلہ کھڑا ہوجاتا ہے جو بے گناہ شہریوں کو عذاب میں مبتلا کردیتا ہے، نہ جانے کتنے ضعیف اور بیمار لوگ اس قسم کی بدنظمی کی

وجہ سے اپنے علاج سے محروم رہ جاتے ہیں، کتنے ضرورت منداپنے روزگار تک نہیں پہنچ پاتے،اس طرح عام گزرگاہوں کوبلاک کر کے نہ جانے کتنے انسانوں کو نا قابل برداشت تکلیف پہنچانے کا گناہ عظیم اس قسم کے جلسے،جلوسوں کے حصوں میں آتا ہے۔

(۸) دیواروں کوانتخابی نعروں سے سیاہ کرنا اور شخصی اور سرکاری عمارتوں پر اشتہارات چسپاں کرنا بھی انتخابی مہم کا جزو لاینفک ہے جس کے نتیجے میں شہر کی بیشتر عمارتیں متضادنعروں اوراشتہارات سے داغدارنظر آتی ہیں اور کسی اللہ کے بندے کو یہ خیال نہیں آتا کہ کسی دوسرے کی عمارت کواس کی مرضی کےبغیر استعمال کر کےاس کا حلیہ بگاڑ دینا درحقیقت چوری اور غصب کےمترادف ہے،آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاارشادمبارک ہے:

''کسی دوسرے کی ملکیت کواس کی خوشدلی کےبغیر استعمال کرنا حلال نہیں''۔

عمارتیں اوردیواریں کسی نہ کسی کی ذاتی ملکیت ہوتی ہیں اوران کواپنے اشتہار کیلئے استعمال کرنا مالک کی اجازت کےبغیر حرام ہے، چہ جائیکہ ان کوخراب اور بدنمابنانا،لیکن غربت اور جہالت کے خاتمے کے دعوے دار بے تکان اس چوری اور غصب کاارتکاب کرتے ہیں،اوراگر کوئی شریف انسان اس عمل سے روکنے کی کوشش کرےتو پتھروں اور فائرنگ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۹) ووٹوں کی خریداری اوراس غرض کیلئے لوگوں کورشوت دینااور جن لوگوں کے قبضے میں بہت سے ووٹ ہوں ان کے ناجائز کام کرادینایااس کاوعدہ کرلینا ایک مستقل جرم ہے جوخدااورآخرت سے بےفکرامیدواروں میں بکثرت رائج ہےاوراس نے معاشرے کواخلاقی تباہی کے کنارےلاکھڑا کیا ہے۔

(۱۰) ظاہر ہے کہ ساری انتخابی مہم چلانے کیلئے ہرجماعت کوکروڑوں روپیہ درکار ہوتا ہے،اس کروڑوں روپے کے سرمائے کے حصول کیلئے جوطریقے اختیار کئے جاتے ہیں ان میں غیرملکی طاقتوں سے گٹھ جوڑ اوران کی دی ہوئی لائن پرکام کرنا ایک ایسی بیماری ہے جوملک کودیمک کی طرح چاٹ رہی ہے،اور جولوگ باہر سے سرمایہ حاصل نہیں کرتے وہ اپنے ہی ملک کے بڑے بڑے دولت مندافراد سے اپنی جماعتوں کیلئے چندے وصول کرتے ہیں اور ربسااوقات یہ چندہ اس بات کی رشوت ہوتا ہے کہ برسراقتدار آنے کے بعد چندہ دینے والوں کوخصوصی مراعات دی جائیں گی،اگر وہ دینے سے انکار کریں توانہیں طرح طرح سے تنگ کیاجاتا ہے،جوجماعت جتنی زیادہ طاقتو رہوتی ہے اوراس کے

اقتدار میں آنے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں اس کے چندے کی اپیل اتنی ہی مؤثر ہوتی ہے۔

یہ دس موٹے موٹے گناہ محض مثال کے طور پر ذکر کئے گئے ہیں، لیکن آپ باریک بینی سے غور فرمائیں تو نظر آئے گا کہ ان میں سے ہر گناہ بذات خود بہت سارے گناہوں کا مجموعہ ہے اور انتخابی مہم کے دوران اس قسم کے نہ جانے کتنے گناہوں کا ارتکاب دھڑلے سے ہوتا ہے۔

اب غور فرمایئے کہ جن حکومتوں کی بنیاد میں جھوٹ، الزام تراشی، بہتان، غیبت، خودثنائی، جھوٹے وعدوں، دوسروں کے ساتھ غنڈہ گردی مخلوق خدا کی ایذاء رسانی، دوسروں کی املاک پر ناجائز تصرف جیسے عظیم گناہ داخل ہوں ان سے ملک وملت کو سکھ چین کس طرح نصیب ہو؟ اور جس ماحول میں ان گناہوں کی ظلمت چھائی ہوئی ہو وہاں سے خیر اور فلاح کی روشنی نمودار ہونے کی کیا توقع رکھی جائے؟

لیکن ان گزارشات کا مقصد محض تنقید برائے تنقید نہیں، نہ ہی اس کا منشأ یہ ہے کہ لوگوں میں مایوسی پھیلائی جائے، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ کم ازکم ہم اپنی بیماریوں سے آگاہ تو ہوں اور ان میں سے جس کسی بیماری کا سدباب اپنی قدرت میں ہو اس سے دریغ نہ کریں اور کم ازکم عام مسلمان ان گناہوں سے محفوظ رہنے کا اہتمام کریں جن میں وہ بعض اوقات نادانستہ طور پر مبتلا ہوتے ہیں۔

یہ سمجھنا کہ اس ہنگامہ خیز طوفان میں ایک تنہا شخص خود کسی برائی سے رک جائے تو اس سے معاشرے پر مجموعی طور پر کیا اثر پڑے گا؟ یاد رکھئے کہ معاشرے سے گندگی جس چھوٹی سے چھوٹی مقدار میں بھی کم ہو غنیمت ہے کیونکہ معاشرہ درحقیقت افراد کے مجموعے سے عبارت ہے، یہاں چراغ سے چراغ جلتا ہے، لہٰذا بعض اوقات کسی ایک شخص کا عزم وہمت بھی معاشرے کی تبدیلی کا فیصلہ کن کردار ادا کرسکتا ہے ع

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

وما علینا الاّ البلاغ۔

حضرت مولانا علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ
مرسلہ: مولانا محبوب احمد سرگودھا

اعمال عاشوراء (دوسری و آخری قسط)

ان دو اعمال کے علاوہ چونکہ اس تاریخ میں ابن رسول، فرزند بتول سیدنا حسین بن علی سلام اللہ علیہم کی اور ان کی اہل بیت کی شہادت کا واقعہ ہائلہ بھی پیش آیا ہے لہٰذا جب یہ تاریخ آتی ہے تو اس واقعہ کو یاد دلاتی ہے اور حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جب کوئی مصیبت اپنی انسان کو یاد آئے خواہ وہ کتنی ہی پرانی کیوں نہ ہو گئی ہو تو اس کو چاہئے کہ کلمہ طیبہ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون کی تلاوت کرے لہٰذا ایک تیسرا عمل اس دن کیلئے اور ثابت ہو گیا یعنی اس کلمہ طیبہ کا پڑھنا وقت تذکر شہادت مذکورہ۔

ابلیس جو انسان کا عدو مبین ہے ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم اور ان کی ہدایت جاری نہ ہونے پائے، چنانچہ اپنے اس مقصد کو وہ دغاباز طرح طرح کے مکروفریب سے حاصل کر رہا ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے کو انبیاء علیہم السلام کا پیرو گمان کرتے ہیں مگر درحقیقت وہ ابلیس کے فریب میں گرفتار ہیں، اور جس چیز کو وہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ سمجھتے ہیں وہ دراصل اس دشمن کا بنایا ہوا طلسم ہے، ایسے لوگ فی الواقع ھم یحسبون انھم یحسنون صنعًا کے مصداق ہیں۔

یہ دشمن ایسا ہمارے پیچھے پڑا ہے کہ ہمارے مالک کی نعمتوں میں سے جو مال عمدہ سے عمدہ اور قیمتی سے قیمتی تھے انہی کو اس نے خراب کر دیا۔ اسی معاملہ سے اور قیاس بھی ہو سکتا ہے، دیکھئے یوم عاشوراء کیسے متبرک دن تھا اور اس کیلئے نبی امی ﷺ نے کن اعمال کی ہم کو تعلیم دی تھی کہ اگر ہم ان تعلیمات پر عمل کرتے تم ہم کو اس دن کی برکات سے پورا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا مگر اس رہزن نے وہ تعلیمیں تو ہم سے چھین لیں اور بجائے ان بیش بہا جواہرات کے کچھ خار دار سنگریزے ہمیں دے دیئے اور ہم اپنی سادہ لوحی سے انہی سنگریزوں کو جواہر سمجھ رہے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ اب یہ دن ہمارے حق میں بجائے نعمت کے نقمت بن گیا اور اس میں بجائے ثواب کے ہم عذاب کمانے لگے، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

میرا روئے سخن اس مقام پر شیعوں کی طرف نہیں ہے بلکہ میں اپنے ایمانی بھائیوں سے کہتا

ہوں کہ وہ میری عرض کو بغور لحاظ فرما کر ایک سرسری نظر ذرا ان افعال پر ڈال جائیں جو انہوں نے اس دن کیلئے معمول کر رکھے ہیں تو امید ہے انہیں ساری حقیقت کھل جائے گی۔

ان اعمال کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ورنہ میں اس کو فروگزاشت نہ کرتا تاہم نمونہ کے طور پر چند باتوں کا ذکر کرتا ہوں۔تعزیہ رکھنا یا بنانا یا اس کو سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی شبیہ یا واقعۂ کربلا کی یادگار سمجھ کر قابل زیارت یا لائق تعظیم خیال کرنا،علم وغیرہ رکھنا،مصنوعی کربلا میں جانا اور جو خرافات وہاں ہوتے ہیں ان کا ارتکاب کرنا یا ان کو پسندیدگی سے دیکھنا،اپنی معمولی زینت کا بہیت ماتم ترک کرنا مثل اس کے کہ عورتیں زیور اتار ڈالیں یا پان کھانا چھوڑ دیں وغیرہ وغیرہ۔ذکر شہادت کے وقت سینہ کوبی کرنا، حضرت حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا نام لے کر رونا جس کو نوحہ کہتے ہیں،ان مرثیوں کا پڑھنا یا سننا جن میں علاوہ جھوٹ کے بزرگان دین کی توہین بھی ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب ابلیس کی تعلیم نہیں تو کیا نبی امی ﷺ کی تعلیم ہے،اگر حضرت کی تعلیم ہے تو حدیث کی کتابوں میں دکھاؤ،حدیث کی کتابوں میں ان تمام افعال اور ان کے مثل دوسرے افعال کی شدید مخالفت مذکور ہے جس کا نمونہ آپ لوگ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فتوے میں جو دوگزشتہ رسالہ میں شائع ہوا ہے دیکھ چکے ہیں۔

نتیجہ ان اعمال قبیحہ کا ہمارے حق میں جو کچھ ہوگا وہ ہوگا مگر صد افسوس کہ ہمارے ان اعمال کی بازپرس ان حضرات سے بھی ہوگی جن کے نام پر ہم یہ حرکات کرتے ہیں،صد حیف کہ ہماری بدکرداری کی وجہ سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ میدان حشر میں بلائے جائیں اور ان سے احکم الحاکمین پوچھے کہ کیا تم نے ان اعمال شنیعہ کا حکم دیا تھا؟اور وہ عذر خواہی کریں کہ اے پروردگار!میں بالکل بے قصور ہوں مجھ کو ان حرکات کی خبر تھی نہیں۔

اس سے زیادہ مصیبت اور کیا ہوگی کہ جو اعمال اس متبرک دن کیلئے تعلیم کئے گئے تھے اگر ہم ان کا ارتکاب بھی کرتے ہیں تو اپنی فاسد نیت اس کے ساتھ شامل کرکے اس کی صورت بگاڑ دیتے ہیں جس سے وہ عمل بالکل مسخ ہو جاتا ہے،مثلاً روزہ رکھتے ہیں اور اس کا نام فاقہ رکھتے ہیں اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ اپنے کو شہداء کربلا کا مشابہ بنائیں اور بعض حضرات تو دن رہے اس روزہ کو توڑ ڈالتے ہیں تاکہ افطار کا اطلاق نہ ہونے پائے بلکہ فاقہ شکنی کہلائے۔

اب ان لوگوں کی حالت دیکھو جو بظاہر خرافات مذکورہ سے بالکل پاک ہیں ان کو بھی ایک عجیب وغریب حالت میں پاؤ گے، وہ نہ تعزیہ رکھتے ہیں نہ علم، نہ دلدل نکالتے ہیں نہ تابوت، نہ ترک زینت کرتے ہیں نہ سینہ کوبی، نہ نوحہ کرتے ہیں نہ فاقہ داری، مگر یہ ضرور کرتے ہیں کہ ذکر شہادت کیلئے محافل ومجالس کا انعقاد کرتے ہیں اور زبانی یا کسی کتاب سے واقعات شہادت بیان کرتے ہیں۔

کاش! وہ ان محافل ومجالس کو ان آداب وقواعد کا پابند رکھتے جن کے بغیر بدعات ومحرمات سے اجتناب ناممکن ہے تو کچھ مضائقہ نہ ہوتا بلکہ یہ محافل ومجالس مثل حلقہ ہائے ذکر الٰہی کے موجب ہزاراں ہزار برکات وخیرات ہوتیں۔

بہت سے لوگ ان آداب وقواعد کا علم نہیں رکھتے مگر ان کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عدم علم کا عذر نہیں سنا جائے گا، جس طرح بلاتشبیہ کوئی شخص تعزیرات ہند کے کسی جرم کا ارتکاب کرے اور کچہری میں حاکم کے سامنے اپنی ناواقفیت کا عذر کرکے سزا سے براءت نہیں حاصل کرسکتا اسی طرح جرائم شرعیہ کا مرتکب بھی جہل کا عذر کرکے عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتا۔

جب سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا تو ضروری ہوا کہ مختصراً کچھ آداب بھی ان محافل ومجالس کے بیان کردیئے جائیں۔ واضح رہے کہ:

(۱) اسراف تو بالکل حرام ہے لہٰذا اس سے اس محفل کو کیا معنی ہر محفل کو پاک رہنا چاہئے کہ زائد از حاجت روشنی وغیرہ نہ ہو۔

(۲) واقعات وہی بیان کئے جائیں جو صحیح یا کم از کم حسن روایتوں سے ثابت ہوں، یہ ایک بڑی مشکل بات ہے کیونکہ اس واقعہ کی روایات میں تنقید اسانید سے بالکل کام نہیں لیا گیا اور جس قدر تفاصیل اس واقعہ کی مروی ہیں ان میں باستثنائے قدر قلیل کوئی درجۂ صحت یا حسن کو نہیں پہنچتی، ایسا کیوں ہوا اس کے بیان کیلئے بہت طویل تقریر کی ضرورت ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ یہ عنایت بھی حضرات شیعہ کی ہے۔

(۳) کوئی ایسا مضمون نہ بیان کیا جائے جس سے کسی صحابی کی طرف سے سوءِ ظن پیدا ہو۔

(۴) ایسی کوئی بات نہ ہو جس سے عوام کو یہ خیال پیدا ہو کہ یہ شہادت اس امت میں تمام شہادتوں سے اشرف واعلیٰ ہے۔

آخر الذکر دونوں باتیں کچھ کم خوفناک نہیں ہیں، کیونکہ اگر کسی صحابی سے سوءِ ظن پیدا ہوگیا تو

نجات مشکوک ہوگئی ، بہت سی احادیث صحیحہ کی تصریحات اور بہت سی آیات کی تلویحات سے انحراف ہو گیا۔اور اگر اس شہادت کو تمام سابقہ ولاحقہ شہادتوں سے افضل سمجھ لیا تو اور بھی زیادہ قباحت ہوئی کیونکہ ایک نص قرآنی کا انکار ہوگیا جس کا صریح مضمون یہ ہے کہ "فتح مکہ کے بعد جس قدر جہاد ہوئے ان کا رتبہ ان جہادوں سے کم ہے جو فتح مکہ سے پہلے ہو چکے" قولہ تعالٰی لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل الآیۃ ،اس کے علاوہ یہ عقیدہ بہت سی احادیث صحیحہ کے بھی خلاف ہو گا،مگر افسوس ہے کہ یہ خرابی ایسی پھیلی ہوئی ہے کہ جاہلوں کا کیا ذکر اکثر خواندہ لوگ اس سے خالی نہیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہنا اسی عقیدہ فاسد کی بناء پر ہے۔

ان دونوں خرابیوں کا سدباب اس طرح ہوسکتا ہے کہ جب کوئی شخص واقعۂ شہادت بیان کرے تو تیسری خرابی کے دفعیہ کیلئے اس پر لازم ہے کہ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس زمانہ میں موجود تھے اور ان کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے عزم کربلا کی اطلاع ہوئی مگر وہ شریک نہ ہو سکے مثل حضرت جابر بن عبداللہ وحضرت ابوسعید خدری وحضرت ابوواقد لیثی وحضرت عبداللہ بن عمر وحضرت عبداللہ بن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم ،ان حضرات کے شریک نہ ہونے کے واقعی اعذار جو نہایت قوی وصحیح تھے بیان کئے جائیں اور ان حضرات کو جو تعلق حضرت ممدوح سے تھا اور اس واقعہ سے جو صدمہ ان کو پہنچا سب بیان ہوں ۔افسوس کہ کوئی شہادت نامہ ایسا موجود نہیں ہے جس میں یہ تمام باتیں بیان کی گئی ہوں ورنہ میں اس کا نام اس مقام پر لکھ دیتا۔میں نے شوال میں ارادہ کیا تھا کہ ایک شہادت نامہ لکھوں جس میں میں نے تبرکا بعدد عشرہ مبشرہ دس باب قائم کئے تھے اور ہر باب ایک نہایت ضروری اور مفید عنوان پر مشتمل تھا مگر ام للانسان ما تمنّٰی حضرت والد مرحوم کی علالت نے مہلت نہ دی، اب اگر زندہ رہا تو ان شاءاللہ سال آئندہ میں دیکھا جائے گا۔

اور چوتھی قباحت کے سدباب کیلئے لازم ہے کہ جن شہادتوں کی افضلیت بنص قرآنی ثابت ہے مثل شہادت بدر وشہادت احد کے پہلے ان کا ذکر کیا جائے اور ان کی افضلیت بیان کر دی جائے اور خلفاءراشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب کی صحیح روایتیں بیان کی جائیں۔

یہ آداب جو میں نے ذکر کئے بہت مختصر ہیں جزئیات کی تفصیل اس وقت دشوار ہے۔اب میں اس مضمون کو اس نصیحت پر ختم کرتا ہوں کہ اس زمانہ محرم میں حضرات شیعہ نے جس قدر تیزیں

رائج کر رکھی ہیں ان میں اکثر یادگار ہیں ان سے ہم لوگوں کو احتراز کامل چاہئے۔

غالباً اس مقام پر یہ سوال ہوگا کہ یزید سے تو شیعوں کو نفرت ہے اس کی یادگار انہوں نے کیوں قائم کی؟ تو میں اس کا جواب مناظرہ حصہ اول پر حوالہ کرتا ہوں جس میں یہ امر ثابت کردیا گیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بلانے والے، ان کو خط لکھ کر فریب دینے والے، یزیدیوں کے ساتھ مل کر ان کے اور ان کے اہل بیت کے قتل کرنے والے یہی حضرات شیعہ ہیں، اسی وجہ سے ان کے بابان مذہب نے اپنے قدماء کی یادگار قائم کی مگر عوام شیعہ ان مقاصد سے بے خبر ہیں کیونکہ ان کے علماء اپنے عوام سے ان اسرار کو بے حد مخفی رکھتے ہیں اور اس کی سخت تاکید ان کے مذہب میں ہے۔

اب میں اس مضمون کا خاتمہ چند علمائے اعلام کی پاکیزہ عبارتوں پر کرنا چاہتاہوں جو اس مضمون کو مؤید ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں: وایاہ ثم ایاہ ان یشتغل فی یوم عاشوراء ببدع الرّافضۃ من النّدب والنّیاحۃ والحزن اذ لیس ذٰلک من اخلاق المؤمنین والاّ لکان یوم وفاتہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم اولٰی بذٰلک......۔

ترجمہ: خبردار خبردار یوم عاشوراء میں روافض کی بدعتوں میں مشغول نہ ہونا مثل رونے، چیخنے، چلانے کے اور ماتم و غم کرنے کے، کیونکہ یہ باتیں مومنوں کے اخلاق میں سے نہیں ہیں ورنہ آنحضرت ﷺ کی وفات کا دن ان باتوں کیلئے زیادہ سزاوار تھا۔

اور علامہ ابوالرجا زاہدی امام برہان الدین بخاری سے ناقل ہیں کہ ان سے کسی نے فتویٰ پوچھا کہ واعظ لوگ جو یوم عاشوراء میں ذکر شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے وقت ان کی مصیبت پر افسوس ظاہر کرنے کیلئے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں اور لوگوں کو کھڑے ہوجانے اور ماتم کرنے کا حکم دیتے ہیں آیا حکام پر لازم ہے کہ ان امور سے ممانعت کریں؟

تو امام ممدوح نے اس کا جواب لکھا کہ یمنع ذالک یعنی یہ افعال روک دیئے جائیں۔

علامہ ابن حجر مکی ہیثمی صواعق محرقہ میں حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی ایک عبارت نقل کرکے اس کی شرح اس طرح کرتے ہیں "غزالی و نیز اور ائمہ نے کہا ہے کہ واعظ وغیرہ پر حرام ہے کہ بیان کرے شہادت حسن و حسین کو اور اس شہادت کے حالات کو اور نیز ان واقعات کو جو صحابہ میں باہم پیش

آئے، کیونکہ ان واقعات سے صحابہ کے ساتھ بغض وسوءظن پیدا ہوتا ہے اور ان پر طعن کرنے والا فرد اپنی ذات میں اور اپنے دین میں طعن کرنے والا ہے'' ۔غزالی کا کلام ختم ہوا۔

(ابن حجر لکھتے ہیں کہ) غزالی نے ......شہادتیں وغیرہ کو حرام کہا ہے وہ منافی اس کے نہیں جو میں نے اس کتاب میں بیان کیا، کیونکہ وہ ایسے بیانات ہیں جن کا اعتقاد ضروری ہے جن میں صحابہ کی جلالت اور تمام نقائص سے بری ہونا مذکور ہے، بخلاف اس بیان کے جو جاہل واعظ کیا کرتے ہیں کہ جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں یا سچے واقعات کا اصلی مطلب نہیں بیان کرتے اور جو عقائد حقہ ہیں ان کو نہیں بیان کرتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام جہال کو صحابہ سے بغض وسوءظن پیدا ہو جاتا ہے (اسی) قسم کے بیان کو غزالی رحمہ اللہ نے حرام کہا ہے نہ مطلق ذکر شہادتیں وغیرہ کو۔

ترجمہ دوسری عبارت کا

ملا احمد رومی مجالس الابرار میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ یوم عاشوراء میں واقعات شہادت بیان کرتے وقت کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں، ننگے سر ہو جاتے ہیں اور حاضرین محفل کو کھڑے ہو جانے اور ماتم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں تاکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مصائب پر غم ظاہر ہو، ان حرکات سے منع کرنا حکام وقت پر واجب ہے اور اس قسم کے بیانات کا سننے والا ہرگز معذور نہیں۔

امام غزالی اور نیز دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ واعظین اسلام پر قتل حسین کی روایت اور مشاجرات صحابہ کے واقعات کو بیان کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے صحابہ کے ساتھ بغض اور سوءظن پیدا ہوتا ہے حالانکہ وہ لوگ علامت دین ہیں، ہمارے پیشواؤں نے دین انہی سے حاصل کیا، پس صحابہ پر طعن کرنا خود اپنے اوپر اور اپنے دین پر طعن کرنا ہے۔نبی ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ کے احکام کا لحاظ میرے صحابہ کے حق میں کرنا، ان کو میرے بعد نشانہ ملامت نہ بنانا، جو شخص ان سے محبت رکھے گا وہ میرا محب ہے اور جو ان سے دشمنی رکھے گا وہ میرا دشمن ہے، جو ان کو ایذاء دے اس نے اللہ کو ایذاء دی۔

پس اس حدیث کی وجہ سے مومن پر صحابہ کرام کی تعظیم اور ان کا ذکر خیر واجب ہو گیا اور ان کے مطاعن سے زبان کو بند رکھنا ضروری ہو گیا۔حضرت عثمان اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت کے سبب سے بہت سے فتنے پھیلے اور بہت سی جھوٹی روایتیں مشہور ہو گئیں، ان روایتوں کا جانچنا ہر شخص کا کام نہیں لہٰذا ہر کس و ناکس کو اس وادی میں آنا ہی نہ چاہئے۔ فقط (ماخوذ از النجم محرم ۱۳۴۰ھ)

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج تحقیقی جائزہ (قسط ۲)

تالیف احکام القرآن للتھانوی کا پس منظر

یہ ایک نہایت اہم تصنیف ہے جس کی تصنیف کی تجویز حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تھی، اس تجویز کی صورت یہ ہوئی کہ تقریباً ۱۳۵۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں یہ تجویز ہوئی کہ جس طرح حدیث کی اہم کتابوں کا دورہ ایک سال میں پڑھایا جاتا ہے اسی طرح دورہ تفسیر کے نام سے تفسیر کی اہم کتابیں ایک سال میں پڑھائی جایا کریں اور ساتھ ہی تجویز ہوئی کہ دورۂ تفسیر کا افتتاح حضرت تھانوی سے کرایا جائے اس کی درخواست کیلئے دیوبند سے حضرات اکابر علماء کا ایک وفد جس کے امیر مولانا حسین احمد مدنی تھے حضرت تھانوی کی خدمت میں تھانہ بھون آیا اور دورہ تفسیر کا نصاب مشورہ سے تجویز ہوا۔

دورہ تفسیر کا نصاب اور تجویز دلائل القرآن

دورہ تفسیر کا نصاب درس بیضاوی کامل، ابن کثیر کامل تجویز ہوا چونکہ ان دونوں تفسیروں کے مصنفین اور جلالین کے بھی دونوں مصنف شافعی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے تفسیر مدارک کا نصاب میں اضافہ کا تذکرہ ہوا کیونکہ اس کے مصنف علامہ ابوالبرکات نسفی حنفی ہیں، مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا ایسی آیات بہت کم ہیں جن کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف ہے اس لئے اس غرض کے واسطے پوری تفسیر مدارک پڑھانے کی بجائے اگر ان آیات کا انتخاب پڑھایا جائے تو بہتر ہوگا، سب حضرات نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور مولانا اشرف علی تھانوی نے اس مجوزہ تصنیف کا نام بھی اسی وقت ''دلائل القرآن علی مسائل النعمان'' تجویز فرمادیا، مگر دیوبند میں یہ کام انتخاب آیات کا نہ ہوسکا، تقریباً تین سال کے بعد حضرت تھانوی کو اس کام کی طرف اس کی افادیت اور ضرورت کے پیش نظر شدت سے توجہ ہوئی اور جس طرح ''اعلاء السنن'' میں فقہیات حنفیہ کے دلائل وشواہد حدیث سے جمع کرادیئے ہیں اسی طرح ''دلائل القرآن علیٰ مسائل النعمان'' میں دلائل حنفیہ

قرآن کریم سے جمع کرادیئے جائیں اور اس کام کو خود اپنے اہتمام سے کرانے کا فیصلہ فرما کر تقریباً ۱۳۵۴ھ میں مولانا مفتی محمد شفیع کے سپرد فرمایا تھا۔

حضرت تھانوی نے اس اہم ترین تصنیف کیلئے اصول اور طریق کار خود متعین اور مشخص فرمادیئے تھے، پوری سورہ بقرہ میں جس قدر آیات احکام اس تصنیف کے موضوع سے متعلق تھیں ان کی فہرست خود تیار فرما کر مفتی محمد شفیع کے حوالہ فرمائی، مفتی محمد شفیع نے کام شروع کر دیا تھا لیکن دارالعلوم دیوبند میں عہدۂ افتاء اور تدریسی خدمات کی ذمہ داری کے ساتھ اس کام کیلئے فرصت بہت کم ملی اس لئے کام کی رفتار سست رہی، اسی اثناء میں مولانا ظفر احمد عثمانی ''اعلاء السنن'' کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو حضرت تھانوی کو خیال ہوا کہ اب یہ کام اگر مولانا ظفر احمد کے سپرد کر دیا جائے تو جلدی ہو جائے گا اس لئے یہ کام ان کے سپرد فرمادیا[۶۲]

تقسیم احزاب کا قصہ

لیکن اتفاق سے کچھ عرصہ کے بعد ہی مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا ڈھاکہ یونیورسٹی میں اپنے استاذ مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی کے حادثۂ وفات کے بعد بطور پروفیسر تقرر ہو گیا، وہاں اس تصنیف کا کام معتد بہ پیمانہ پر جاری نہ رہ سکا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو دیکھنے والے جانتے ہیں کہ کام شروع کرنے کے بعد حضرت رحمہ اللہ کو اس کا بہت اہتمام ہو جاتا تھا کہ وہ مسلسل سبک خرام آگے بڑھے اور مکمل ہو جائے اس لئے حضرت تھانوی کو اس کی فکر ہوئی کہ اب یہ کام کسی اور طرف منتقل کیا جائے چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب سے استفسار فرمایا گیا کہ وہ دارالعلوم دیوبند سے طویل رخصت لے کر اس کام کیلئے تھانہ بھون قیام کر سکتے ہیں یا نہیں، مگر دارالعلوم کے عہدۂ افتاء کی ذمہ داری کی وجہ سے طویل رخصت لینے کی کوئی صورت نہ نکلی تو یہ رائے ہوئی کہ اس کام کے چند حصے کر کے چند علماء کے سپرد کر دیا جائے، اس طرح اس کی تکمیل ہو جائے گی۔

چنانچہ اس تصنیف کو چار حصوں میں اس طرح تقسیم فرمادیا کہ پہلی اور دوسری منزل مولانا ظفر احمد عثمانی کے سپرد فرمائی، تیسری اور چوتھی منزل مفتی جمیل احمد تھانوی کے سپرد فرمائی، پانچویں اور چھٹی منزل مفتی محمد شفیع صاحب کے سپرد فرمائی اور آخری منزل مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے سپرد فرمائی اور اس کا مقدمہ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے ذمہ لگایا۔

اس سلسلہ میں حضرت تھانوی کا والا نامہ مفتی عبدالشکور ترمذی کے والد محترم مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی کے نام بھی آیا تھا، حضرت تھانوی نے احکام القرآن کی تصنیف میں حضرت مفتی عبدالکریم کو بھی شریک کرنا چاہا تھا جیسا کہ قبل ازیں ''الحیلۃ الناجزۃ''اور بیان القرآن اور بہشتی گوہر کی تصنیف ونظر ثانی میں آں مرحوم کو شریک رکھا چونکہ اس وقت حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی حضرت تھانوی ہی کے حکم سے مدرسہ حقانیہ شاہ آباد مارکنڈ اضلع کرنال ہندوستان کے کاموں میں بہت مشغول تھے اور مدرسہ کا ابتدائی دور تھا وہاں متعلقہ کتب بھی نہ موجود تھیں اور نہ دستیاب ہو سکتی تھیں اس لئے حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی نے معذرت کا عریضہ لکھ دیا۔

حضرت تھانوی کا مرض وفات میں احکام القرآن کی طرف شدت سے اہتمام فرمانا

ابھی اس کام کا سلسلہ پورے طور پر چلنے نہ پایا تھا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اس مرض کا سلسلہ شروع ہو گیا جو بالآخر مرض وفات ثابت ہوا ضعف روز بروز بڑھنے لگا مگر اس مرض اور ضعف میں بھی اس تصنیف کی فکر لگی ہوئی تھی ۔۱۳۶۲ھ میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم سے مستعفی ہو کر تھانہ بھون قیام کی نسبت سے پہنچ گئے اور حضرت تھانوی کی تجویز کے مطابق حضرت مفتی صاحب نے تھانہ بھون میں یہ کام شروع کر دیا، یہ وہ وقت تھا کہ حضرت تھانوی کا شدت ضعف کی وجہ سے خانقاہ میں تشریف لے جانا منقطع ہو چکا تھا لیکن خدمت دین وعلم دین کا شغف ان سب چیزوں پر غالب تھا۔

''دلائل القرآن علی مسائل النعمان'' کا کام جب مفتی محمد شفیع صاحب نے شروع کیا تو حضرت تھانوی نے اس کے پہلے ہی دن بہت سی آیات پر کافی دیر تک تقریر فرمائی کہ فلاں فلاں آیات سے فلاں فلاں احکام مستنبط ہوتے ہیں ان کو کتب تفسیر میں تلاش کر کے اگر منقول ہوں تو منضبط کر لیا جائے۔[۳۶]

حضرت تھانوی کے افادات خاصہ

اس پر بھی مفصل کلام فرمایا کہ اس تصنیف کا طرز کیا ہو، کیا چیز لی جائے اور کیا نہ لی جائے، اس کے بعد روزانہ مفتی صاحب سے استفسار فرماتے کہ آج کس آیت پر لکھا اور کیا لکھا ہے، پھر ایک آیت کے مناسب علوم غامضہ کے افادات فرماتے رہتے اور حضرت مفتی صاحب ان کو ضبط تحریر میں لے آتے۔

احکام القرآن کی افادیت واہمیت

حضرت حکیم الامۃ تھانوی کی تجویز کردہ احکام القرآن عربی کی تکمیل ہو گئی اور پہلے اس کا

سبب تالیف اور زمانہ تالیف وغیرہ کا تعارف کرایا دیا گیا ہے لیکن بعض احباب کا خیال ہوا کہ اس عجیب وغریب کتاب کا کسی قدر تعارف ہو جانے کے باوجود اس کی علمی افادیت اور اس کے موضوع کی اہمیت کے بارے میں کسی قدر مزید تعارف کی ضرورت ہے اور نمونہ کے طور پر اس کتاب میں چند مثالیں ہی اگر پیش کردی جائیں تو مزید تعارف کا سبب ہوگا، اس لئے اس سلسلہ میں مزید بعض امور پیش خدمت ہیں۔

اول تو یہ عرض ہے کہ کتاب کا اصل تعارف تو دیکھنے سے ہیں معلوم ہوتا ہے اور مطالعہ کے بغیر صحیح طور پر کتاب کا تعارف نہیں ہو سکتا البتہ بعض امور کا ذکر کر دینا بھی اجمالی تعارف کے لئے مفید ہوتا ہے اس لئے عرض ہے کہ!

حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں احکام القرآن کا موضوع دراصل احناف کے دلائل قرآن کریم سے جمع کرنا تھا اور علم تفسیر کے طلباء کو ان قرآنی دلائل سے واقفیت اور آگاہی کرنا مقصود تھا جن سے فقہا احناف فقہ حنفی پر استدلال کرتے یا کر سکتے ہیں جیسا کہ اس کے سبب تالیف میں اس کی تفصیل لکھی جا چکی ہے مگر بعد میں حضرت تھانوی نے اس کے موضوع کو وسیع اور عام کر دیا اور آیت قرآنی سے ہر قسم کے احکام کا استنباط اس کے موضوع میں داخل کر لیا گیا۔

چنانچہ اس میں جس طرح فقہی احکام پر آیت سے استدلال کیا گیا ہے اسی طرح عقائد اور کلامی مسائل، معاشرت، احسان اور اخلاق، تمدن، سیاست اور ہیئت کے مباحث سے بھی تعرض کیا گیا ہے اسی طرح یہ کتاب قرآن کریم سے مستنبطہ مختلف النوع علوم وفنون کی جامع کتاب ہوگئی۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ ان تمام مباحث میں تفسیر بالرائے سے احتیاط کی گئی ہے اور زیر بحث آیت کے ساتھ تعلق اور ربط قائم رہا ہے تعلق کوئی بات نہیں لکھی گئی۔

بعض کم نظر اور سطحی سمجھ کے غبی لوگ جن کی رسائی ایسے عمیق اور گہرے استدلال تک نہیں ہوتی وہ ایسے مباحث کو قرآن کریم سے غیر تعلق سمجھ کر ان پر طعن دراز کرنے لگتے ہیں جیسا کہ ایسے ہی لوگوں نے امام رازی کی تفسیر کبیر میں ریاضی اور فلسفہ اور علوم طبعی اور کلامی مقام کے مباحث دیکھ کر اس کے بارہ میں کہہ دیا کہ تفسیر کبیر میں "تفسیر کے سوا سب کچھ ہے" یہ قول قطعاً غلط اور خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام رازی کی تفسیر کبیر آپ کا علمی شاہکار ہے امام کا انداز تفسیر یہ ہے کہ وہ عقلی ونقلی قسم کے مباحث سے تعرض کرتے ہیں۔ عقلی مباحث کے ساتھ اس میں نقلی مباحث بھی بکثرت

ہیں مگر جن لوگوں پر ظاہریت کا غلبہ ہے ان کو عقلی مباحث گراں معلوم ہوتے ہیں ۶۴

احکام القرآن للتھانوی کا منہج واسلوب

پہلے جن حضرات نے آیات احکام پر احکام القرآن کے نام سے مستقل تصانیف لکھی ہیں ان حضرات نے کسی سبب سے ان کو ضبط نہیں کیا، اس لئے حضرت تھانوی کی رائے ہوئی کہ اس تصنیف کا موضوع وسیع اور عام کردیا جائے یعنی صرف دلائل حنفیہ نہیں بلکہ مطلق احکام خواہ احکام فقہیہ ہوں یا عقائد وتصوف اور اخلاق وتمدن کے متعلق ہوں سب کو ضبط تحریر میں لایا جائے بالخصوص جن احکام میں مغربی تمدن اور نئی تعلیم کے اثرات سے شبہات پیدا کئے جاتے ہیں ان پر اہتمام سے کلام کیا جائے، یہی امتیاز ہے اس احکام القرآن کو ان حضرات کی علماء کرام کی تصانیف سے جنہوں نے آیات احکام پر کلام فرمایا ہے۔

اول تو جن آیات سے احکام پر دلالت ہو رہی ہے ان حضرات نے سب آیات کو ضبط نہیں کیا جبکہ اس احکام القرآن میں عموماً بالاستیعاب آیات پر کلام کیا گیا اور تقریباً ہر آیت سے احکام کا استخراج کیا گیا ہے۔ دوسرے انہوں نے صرف احکام فقہیہ پر ہی انحصار فرمایا جبکہ اس احکام القرآن میں احکام فقہیہ کے ساتھ عقائد واخلاق وتمدن کے احکام سے بھی تعرض کیا گیا ہے نیز مغربی تہذیب کے اثرات سے پیدا ہونے والے شبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے، اس وسعت موضوع کے لحاظ سے اس کا نام بھی احکام القرآن تجویز فرمایا ۶۵

تالیف احکام القرآن میں حضرت تھانوی کے اہم اصول

اہم اصول جن کو اس تصنیف میں ملحوظ رکھا گیا ہے کہ صرف اپنے تفقہ پر اعتماد نہیں کیا گیا بلکہ متقدمین کی تحقیقات پر اعتماد کیا گیا ہے البتہ تلاش وجستجو کے بعد اگر کوئی مسئلہ متقدمین سے نہ مل سکے تو پھر قواعد شرعیہ اور اصول مسلمہ سے جو سمجھ میں آیا اس کو بیان کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھا گیا۔

تفسیر بیان القرآن میں بھی حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اسی اصول کو پیش نظر رکھا ہے چنانچہ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے بیان القرآن میں یہ بھی التزام کیا ہے کہ تفسیر تو وہی لکھی جو خود میری سمجھ میں آئی لیکن جب تک اس کی تائید سلف صالحین کی تفاسیر سے نہیں ملی اس پر اطمینان نہیں کیا، اس صورت میں تفسیر بظاہر تو سلف کی تفاسیر سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ سرتاسر خود حضرت تھانوی ہی کی تفسیر ہے ۶۶

ایک اصول اس احکام القرآن کی تصنیف کیلئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ جس مسئلہ فقہیہ پر بحث ہو اس کا حوالہ کتب فقہیہ سے ضرور ہونا چاہیے، یہ ضروری نہیں کہ خود امام ہی کا قول ہو بلکہ مشائخ مذہب کے اقوال بھی کافی ہیں ۔ ۶۷

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت تھانوی نے اسی حالت ضعف و مرض میں یہ التزام فرمایا کہ میں جو سورت لکھنا شروع کرتا تو آپ اس کو بار بار خود تلاوت فرماتے اور اس میں جس مقام سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا نظر آتا اس کی تقریر احقر سے فرماتے اور ہدایت فرماتے کہ اس کو کتب تفسیر وغیرہ میں تلاش کرلو، اگر کہیں مل جائے تو اس کے حوالہ سے لکھ دو ورنہ خود بھی غور کرو، اگر دل کو لگے تو جس سے تم نے سنا ہے اس کے حوالے سے لکھ دو ۶۸

افادۂ خاصہ

الغرض مرض و ضعف کی حالت میں بھی احکام القرآن کے متعلق دریافت فرماتے اور اس کے متعلق افادات کا سلسلہ جاری تھا، یہاں تک کہ ماہ رجب جس کی ۱۶ تاریخ کو وفات ہونے والی تھی اس کی یکم تاریخ کو مفتی محمد شفیع نے سورۃ قصص شروع کرنے کی حضرت تھانوی کو اطلاع دی تو آپ نے اس سورت کی ایک آیت پر نہایت عجیب و غریب تقریر فرمائی جس کو مفتی محمد شفیع نے ضبط کرلیا وہ مختصراً ذیل میں درج ہے:

سورۃ القصص کی آیت نمبر ۱۵ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قبطی کے قتل ہوجانے پھر جناب باری تعالیٰ سے اس پر استغفار کرنے اور حق تعالیٰ کی طرف سے مغفرت فرمانے کا تذکرہ ہے اس کے متعلق فرمایا کہ: اس میں ایک سوال ہے، وہ یہ کہ قبطی کافر حربی تھا جس کا خون حسب قواعد شرعیہ مباح ہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے استغفار کیوں فرمایا اور حق تعالیٰ کی طرف سے بھی مغفرت کا ذکر فرما کر اس کی تقریر کردی گئی کہ یہ قتل مناسب نہ تھا تو سوال یہ ہے کہ حربی کافر کا قتل نا جائز یا نا مناسب قرار دینے کا سبب کیا ہے؟ پھر فرمایا کہ مدت سے میرا ایک خیال ہے وہ یہ کہ کفار سے جیسے باقاعدہ معاہدہ زبانی یا تحریری ہو جاتا ہے تو اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہوجاتی ہے اسی طرح بعض اوقات عملی عہد ہو جاتا ہے کہ باہمی طرز معاشرت اور تعامل سے فریقین ایک دوسرے سے مامون و بے خطر ہوں باہمی معاملات اور لین دین وغیرہ جاری ہو، یہ بھی عہد عملی کی ایک نوع ہے

اس کی بھی رعایت کرنا ضروری ہے۔اگر کسی وقت ایسے لوگوں پر حملہ کرنا ہے تو پہلے ان کو نبذ عہد کے طور پر متنبہ کر دیا جائے کہ اب ہم سے مامون نہ رہیں پھر طرفین کو اپنے اپنے فعل کا اختیار رہے اور اسی نبذ عہد کے بغیر ایک قسم کا غدر ہے جو شریعت اسلامیہ میں کسی حال میں کسی کافر سے جائز نہیں قبطی کا واقعہ بھی اسی قبیل سے تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام مع اپنے بنی اسرائیل کے متعلقین اور قبطی کفار دونوں فرعونی سلطنت کے باشندے تھے اور ایک دوسرے سے باہم مامون تھے اسی حالت میں قبطی کا اچانک قتل ہو جانا عہد عملی کے خلاف تھا اس لئے اس پر عتاب ہوا اور استغفار و مغفرت کی نوبت آئی۔

رہا یہ سوال کہ جب یہ قتل بحکم غدر اور معصیت تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم رسول اور معصوم ہیں ان سے کیسے صادر ہوا؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قصداً قتل نہیں کیا معمولی ضرب اس کو ہٹانے کے لئے لگائی تھی اتفاقاً مر گیا،اس لئے معصیت کا صدور ان سے نہیں ہوا تاہم صورت معصیت ہی کی تھی اس لئے پیغمبر خدا نے اس کو بھی معصیت ہی کے برابر سمجھ کر استغفار کیا۔ ۶۹

پھر ارشاد فرمایا کہ یہ میرا خیال ہے اگر اس کا ثبوت کتاب وسنت میں یا علماء اہل حق کے کلام میں مل جائے تو اس کے حوالہ سے لکھا جائے ورنہ جس سے آپ نے سنا ہے (یعنی حضرت تھانوی) اس کے حوالہ سے لکھ سکتے ہیں کیونکہ بظاہر قواعد اور اصول مسلمہ کے اس میں کوئی بات خلاف معلوم نہیں ہوتی۔

مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں احقر نے اس کو تلاش کر کے پیش کرنے کیلئے عرض کیا، یہ ارشاد یکم رجب ۱۳۶۲ھ کی مجلس میں فرمایا تھا جس کے پندرہ روز بعد دنیا سے سفر ہونے والا تھا، میں نے اسی روز تحقیق کی تو بحمداللہ صحیح بخاری کی ایک حدیث بروایت مغیرہ بن شعبہ میں اس کا ثبوت اور قسطلانی شرح بخاری میں اس کی تصریح نکل آئی، ارادہ کیا کہ حضرت کی خدمت میں پیش کروں لیکن ان دنوں اکثر وقت حضرت تھانوی پر ایک قسم کی غنودگی یا ربودگی کی کیفیت رہتی تھی، عرض کرنے کا موقع نہ پایا اور یہ حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی ۷۰

مفتی محمد شفیع صاحب نے اس آیت کے تحت حضرت تھانوی کا یہ آخری افادہ جو احکام القرآن کے متعلق آپ نے فرمایا تھا اس کا ذکر احکام القرآن ج ۳ ص ۱۷ پر حسب ذیل الفاظ میں رقم فرمایا ہے:

حضرت تھانوی کا آخری افادہ

العہد بالکفار قدیکون عملیا فیعدنقضہ غدرا :الثانیۃ(ای المسئلۃ الثانیۃ)

علٰی ماافادہ شیخنا اشرف المشایخ قدس سرہ ان المسلم اذا کان معاشرا اومصاحبا لکافر حربی بحیث یامن بعضھم بعضا فھو نوع من العھد والاستیمان عملا وان لم یکن بینھما قول وحینئذ فلایجوز قتلہ ما لم ینبذ الیہ علٰی سواء فانہ غدر للعھد العملی. وقد دلت الاٰیۃ علٰی ھذا،فان القبطی المقتول کان کافراحربیا لیس بینہ وبین موسٰی علیہ السلام عھد ولا استیمان صراحۃ ولکنہ علیہ السلام کان یعاشرھم تحت امرۃ فرعون معاشرۃ سلم وموادعۃ فلعل موسٰی علیہ السلام عد ذٰلک العھدالعملی عھدا وعدقتل القبطی غدراوظلما حیث قال رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی[۱]

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے احکام القرآن کے ص۴۷ پراس کی تائید میں تحریر فرمایا:

ویؤیدہ حدیث المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ عند البخاری فی کتاب الشروط[۲]فی حدیث طویل عن مسور بن مخرمۃ ومروان ولفظہ وکان المغیرۃ صحب قوما فی الجاھلیۃ فقتلھم واخذ اموالھم ثم جاء فاسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منہ فی شیء ولفظ ابی داوٗد واما المال فمال غدرلاحاجۃ لنا فیہ.قال الحافظ فی الفتح:اماالمال فلست منہ فی شیء ای لا اتعرض لہ لکون اخذہ غدراویستفادمنہ انہ لایحل اخذاموال الکفار فی حال الأمن الامن غدرالخ.وقال القسطلانی لان اموال المشرکین وان کان مغنومۃ عندالقھرفلایحل اخذھا عندالامن فاذا کان الانسان مصاحبا لھم فقدا من کل واحد منھم صاحبہ فسفک الدماء واخذ الاموال عندذٰلک غدر والغدر بالکفار محظور،وانماتحل اموالھم بالمحاربۃ والمغالبۃ وذکرالکرمانی نحوہ ومثلہ فی الخیرالجاری،انتھیٰ.فھٰذہ تصریحات الحافظ والقسطلانی والکرمانی شاھدۃ علٰی ان المصاحبۃ بالامن نوع من العھد عملا وان لم یکن بینھم عھدقولی والاستیمان صریح فسفک الدماء واخذ الاموال مع ذٰلک غدر،حرام الا ان ینبذ الیھم عھدھم علٰی سواء الخ[۳]

انمااطلنافی نقل الکلام فی ھذا المقام لیظھر للناظرین نعمۃ اللہ علٰی

جماعتنا ولہ الحمد انہا لاتقبل اقوال اکابرھا فی تفسیر معانی القران الا بعد ظہور مطابقتہا لاقوال السلف واکابرھا، ولیظہر حسن ذوق حضرۃ حکیم الامۃ فی التفسیر والتفقہ بحیث لایتخطی عن الصواب ولو قال شیئا بغیر مطالعۃ الکتاب ۷۲

یہ ایک مثال ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے تفقہ او رآیت سے استنباط مسائل کی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی روح حضرت تھانوی کے افادات تھے، اگر حضرت تھانوی کی حیات مبارکہ میں یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو بڑے عجیب اور نادر مضامین پر مشتمل ہوتی مگر افسوس ہے کہ کتاب کی تکمیل حضرت کی حیات میں مقدر نہ تھی، حضرت کے تعلق خاطر اور اس کے ساتھ شفقت کا مقتضی نہ تھا کہ جس طرح بھی ہوسکے حضرت تھانوی کے بتلائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں اس کی تصنیف کا کام جاری رہنا چاہیے تھا، بحمداللہ حضرت کے خلفاء اور متوسلین نے اس کی تصنیف کا کام مذکورہ اصولوں کے تحت جاری رکھا اور مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مفتی جمیل احمد تھانوی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے حضرت کی دلی تمنا کی تکمیل فرمادی۔

مصادر و مراجع

۶۲ تالیف احکام القرآن عربی، الصیانہ فروری ۱۹۹۳ء۔

۶۳ تالیف احکام القرآن عربی، الصیانہ فروری ۱۹۹۳ء۔

۶۴ تالیف احکام القرآن عربی، الصیانہ مئی ۱۹۹۳ء۔

۶۵ تالیف احکام القرآن عربی، الصیانہ مارچ ۱۹۹۳ء۔

۶۶ اشرف السوانح ۹۵/۳۔

۶۷ خاتمۃ السوانح ص ۲۱۵۔

۶۸ خاتمۃ السوانح ص ۲۱۰۔

۶۹ البلاغ، ماہنامہ، مفتی اعظم نمبر ص ۶۷۹۔

۷۰ خاتمۃ السوانح ص ۲۱۳۔

۷۱ احکام القران مفتی محمد شفیع ۷/۳۔

۷۲ صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ ۳۷۹/۱۔

مولانا ضیاء الرحمٰن فیروزپوری وجالندھری

استاذ العلماء حضرت مولانا عتیق الرحمٰن فیروزپوری نوراللہ مرقدہ

سابق استاذ التفسیر والحدیث جامعہ خیرالمدارس (ملتان)

استاذ العلماء حضرت مولانا عتیق الرحمٰن فیروزپوری نوراللہ مرقدہ کا تعلق آرائیں خاندان سے تھا، آپ کے پڑداداحضرت مولانا غلام قادر صاحب دیپالپوری رحمہ اللہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ قصبہ لدھے وال (دیپالپور) سے انیسویں صدی کے شروع میں گائے ذبح کرنے کی وجہ سے ہندوؤں سے جان بچا کر جلال آباد ضلع فیروزپور (حال یو،پی بھارت) ہجرت کر گئے۔ معلومات کے مطابق درس وتدریس کا کام ہمارے خاندان میں کئی پشتوں سے چلا آرہا ہے۔ ہمارے جدامجد حضرت مولانا عتیق الرحمٰن فیروزپوری رحمہ اللہ بھی اسی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔

ولادت: آپ قصبہ آرائیں جلال آباد ضلع فیروزپور میں حضرت مولانا غلام رسول بن مولانا ہدایت اللہ صاحب کے ہاں ۱۳۲۵ھ بمطابق ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے تاریخی نام غلام پیمبر، مفوض الدین، اظہر زبیر رکھے گئے۔

تعلیم: آپ نے ناظرہ قرآن مجید اپنے والد ماجد سے پڑھا، بعد میں حفظ کیا (آپ نے ایک بار مجھے فرمایا کہ جب میں دورہ حدیث شریف سے فارغ ہوا تو میں روزانہ دن کو آدھا پارہ حفظ یاد کر کے رات کو اسے نفلوں میں پڑھ لیا کرتا تھا، اس طرح میں نے مکمل قرآن مجید دو مہینوں میں یاد کرلیا) ابتدائی درسی کتب بھی اپنے والد ماجد سے پڑھیں، پھر باقاعدہ جامعہ عباسیہ چیچن آباد ضلع بہاولنگر (صوبہ پنجاب حال پاکستان) میں داخلہ لیا، ابھی کچھ عرصہ ہی ہوا تھا جبکہ آپ کی عمر چھ یا سات سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد طاعون کی بیماری کی وجہ سے جمعہ کے دن ۱۳۳۰ھ بمطابق ۱۹۱۲ء میں وفات پا گئے، آپ کو مدرسہ سے گھر لایا گیا، ابھی اس صدمہ کو سات ہی دن ہوئے تھے کہ اگلے جمعہ کے دن آپ کی والدہ ماجدہ آپ کی نومولودہ بہن کے ساتھ وفات پا گئیں (انا للہ وانا الیہ راجعون) آپ جب بھی ہمیں کوئی نصیحت فرماتے تو ساتھ یہ ضرور نصیحت فرماتے کہ ماں باپ بہت بڑی نعمت ہیں ان کی قدر کرو۔ اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

والدین کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد آپ کی تربیت آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا عبدالعلی فیروزپوری رحمہ اللہ (شاگرد رشید حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ) نے کی۔ چھوٹی کتابیں تو آپ نے مدرسہ صادقیہ عباسیہ میں ہی پڑھیں پھر بڑے بھائی حضرت مولانا عبدالعلی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مادر علمی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں آپ کو تقریباً شوال ۱۳۴۱ھ بمطابق مئی ۱۹۲۳ء میں داخل کرایا جہاں آپ نے مسلسل چار سال پڑھ کر شعبان ۱۳۴۵ھ بمطابق فروری ۱۹۲۷ء میں سند فراغ حاصل کی۔

شیوخ: حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا حافظ عبداللطیف مظفرنگری رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا منظور احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا اسعداللہ رامپوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا غلام مصطفیٰ ملتانی رحمہ اللہ۔

دورۂ حدیث کے مشہور رفقاء: مولانا محمد داؤد کاندھلوی رحمہ اللہ (ایڈووکیٹ ایبٹ آباد پاکستان) مولانا عبدالحنان کیملپوری رحمہ اللہ، مولانا محمد یوسف چاٹگامی رحمہ اللہ، مولانا شاہ محمد جالندھری رحمہ اللہ، مولانا محمد اللہ نواکھالی رحمہ اللہ، مولانا طیب الرحمٰن کھچاڑوی رحمہ اللہ، مولانا عبدالکریم ایرانی رحمہ اللہ، مولانا عبدالحمید بجنوری رحمہ اللہ، مولانا محمد رشید انبالوی رحمہ اللہ، مولانا محمد یحییٰ رائے بریلوی رحمہ اللہ، مولانا احمد علی بریسالی رحمہ اللہ، مولانا غلام ربانی کیملپوری رحمہ اللہ، مولانا عرفان ہزاروی رحمہ اللہ، مولانا تراب الدین ارکانی رحمہ اللہ، مولانا حامد مراد آبادی رحمہ اللہ، مولانا غلام احمد ہزاروی رحمہ اللہ۔

اجازت حدیث: آپ کو جن حضرات سے اجازت حدیث تھی ان میں حضرت مولانا مفتی عبدالکریم ترمذی گمتھلوی رحمہ اللہ (خلیفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ) اور حضرت مولانا محمد ابراہیم میاں چنوں والے (شاگرد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ) شامل ہیں۔

تدریس: فراغت کے بعد آپ نے جن مدارس میں تدریس کا کام سرانجام دیا ان میں جامعہ قاسم العلوم (فقیروالی) جامعہ عیدگاہ مظفرگڑھ (ملتان) جامعہ ربانیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ (جہاں آپ صدر مدرس کی حیثیت سے بلائے گئے تھے) اور پھر جامعہ خیرالمدارس (ملتان) میں جہاں آپ نے تقریباً انیس سال تدریس کی۔

مشہور تلامذہ: حضرت مولانا غلام مرتضیٰ فیروزپوری مدظلہ العالی، حضرت مولانا محمد سعید فیروزپوری مدظلہ العالی (دونوں صاحبزادے) حضرت مولانا عبدالحفیظ فیروزپوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا

عبدالجبار فیروزپوری مدظلہ العالی (دونوں بھانجے) حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہ العالی (شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مدظلہ العالی (مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان) حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ مدنی مدظلہ العالی (مدرس مسجد نبوی مدینہ منورہ) حضرت مولانا محمد یاسین خان کشمیری مدظلہ العالی (حال عرب امارات) حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ العالی (سابق مفتی جامعہ خیرالمدارس ملتان) امیر عزیمت حضرت مولانا حق نواز جھنگوی شہید رحمہ اللہ (بانی سپاہ صحابہ) حضرت مولانا محمد یاسین صابر صاحب مدظلہ العالی (شیخ الحدیث جامعہ عمر بن الخطاب ملتان) حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید۔

اصلاحی تعلق: آپ کا اصلاحی تعلق قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم میاں چنوں (شاگرد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ) سے تھا، دونوں حضرات سے اجازت بیعت بھی حاصل تھی۔

وفات: آپ وفات سے سات دن قبل فالج کے مرض میں مبتلا ہوئے، فالج آپ کے بائیں جانب ہوا بالآخر آپ زندگی کی نوّے بہاریں دیکھ کر بروز سہ شنبہ ۲ رجمادی الثانی ۱۴۱۵ھ بمطابق ۸ نومبر ۱۹۹۴ء کو دوپہر تقریباً ایک بجے اس دارفانی کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خیر باد کہہ گئے (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون)

اہل وعیال: آپ کی شادی آپ کے والد ماجد کے چچا زاد بھائی (حضرت مولانا محمد رمضان فیروزپوری رحمہ اللہ) کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے اللہ رب العزت نے آپ کو آٹھ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں عنایت فرمائیں۔

مادہ تاریخ وفات

طیب اللّٰہ المنعم الرفیع ثراہ — وجعل الرحمٰن الفتاح الجنة مثواہ

۱۴۱۵ھ — ۱۹۹۴ء

یادرفتگاں پروفیسر ایم۔اے۔عثمانی

شیخ القراء مولانا قاری محی الاسلام پانی پتی رحمہ اللہ (قسط ۷)

کہتے ہیں جوانی میں ابا جان مردانہ وجاہت کی تصویر تھے۔ضعیفی میں بھی بڑے شاندار تھے، چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، دوہرا بدن، گورا رنگ، نہایت ستواں نقش، روشن آنکھیں، ہزار دو ہزار میں ممتاز اور نمایاں نظر آتے تھے، اپنی وجاہت ذاتی اور علمی سے ہر محفل پر چھا جاتے تھے۔لباس اور خوراک میں نہایت نفیس اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، پھلوں میں خربوزہ، آم، انگور، بی دانہ، امرود اور ناگپوری سنگترہ پسند کرتے تھے۔خربوزہ اور آم کے سلسلہ میں بالخصوص مرزا غالب کی طرح ''میٹھے اور بہت'' کے قائل تھے، لیکن عموماً بسیار خوری کو ناپسند کرتے تھے، کھانا نفیس کھاتے تھے مگر کم کھاتے تھے۔خود ہر قسم کا کپڑا سینا اور ہر قسم کا کھانا پکانا جانتے تھے، لہٰذا لباس اور کھانے میں معمولی سے نقص کو پکڑ لیتے تھے۔میاں بیوی میں محبت نہیں عشق تھا جو چھپن سال کی شادی شدہ زندگی میں اور بارہ بچے پیدا ہونے کے باوجود آخر تک اسی طرح قائم رہا۔سنا ہے جوانی میں بیوی کو اپنے ہاتھ سے کپڑے سی کر پہناتے تھے، اماں جان کو ہمیشہ اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑا پہنایا، ان کیلئے کپڑا اور جوتیاں دلی سے خاص طور پر آیا کرتی تھیں۔

عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں کے ادب پر عبور حاصل تھا۔انگریزی کے تراجم بکثرت پڑھتے تھے۔چونکہ غیر معمولی حافظہ پایا تھا لہٰذا بے شمار حکایات، امثال، واقعات اور روایات یاد تھیں۔ اشعار بر موقع اور برجستہ پڑھتے تھے۔زبان بڑی رواں اور شیریں اور بیان بہت دلچسپ ہوتا تھا۔ شہر بھر میں دعوتوں میں ان کی شرکت پر بڑا اصرار کیا جاتا تھا، جس دعوت میں وہ شریک ہو جاتے تھے وہاں کی رونق ہی اور ہوتی تھی۔ان کی عادت تھی کہ رات کو دیر سے نکلا کرتے تھے، میں چونکہ سب سے چھوٹا ہونے کے سبب غیر معمولی طور پر لاڈلا تھا اس لئے اکثر مجھے ساتھ رکھتے تھے۔اہل ذوق صاحب محفل سے پوچھ لیتے تھے کہ کیا بڑے قاری صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں، اور اگر جواب اثبات میں ملتا تھا تو پھر ان کا انتظار کرتے تھے۔دعوتوں کا دستور فرش پر کھلانے کا تھا، دری، چاندنی یا جاجم کے فرش پر دستر خوان لگتے تھے۔جب ابا جان تشریف لاتے تھے تو مخصوص احباب کی محفل بیٹھتی تھی، پھر کھانے کے ساتھ وہ حکایات، وہ چٹکلے، وہ خاندانی واقعات بیان کرتے جاتے تھے کہ نصف شب گزر جاتی تھی

اورکھانا تو کیا کھایا جاتا تھا لوگ ان کے بیان میں کھوئے رہتے تھے، نہ سنانے والے تھکتے تھے نہ سننے والے اور نہ صاحب محفل اکتاتے تھے، خود میں لڑکپن کے باوجوان کی باتوں سے لطف میں کھویا رہتا تھا اور نیند پاس نہ پھٹکتی تھی۔ صرف اپنے ہی خاندان کے نہیں سارے شہر کے بزرگ تھے، ہر مشکل اور پیچیدہ معاملے میں ان کی رائے لی جاتی تھی اور ان سے فیصلہ کرایا جاتا تھا۔ جس جوڑے کا نکاح ابا جان پڑھا دیں وہ بڑا خوش نصیب سمجھا جاتا تھا، لوگ بڑے اصرار سے بلا کرلے جاتے تھے۔

اس سلسلہ میں ایک بڑا دلچسپ واقعہ یاد آیا۔ شہر کے ایک بہت مقتدر سرکاری عہدیدار اور عالی نسب رئیس کی بیٹی کی شادی عزیزوں میں طے پائی تھی، سنا ہے دونوں لڑکا لڑکی بھی رشتے سے بہت خوش تھے، لیکن لڑکی کے چچا ناراض تھے اور ان کی کوشش تھی کہ یہ رشتہ ٹوٹ جائے۔ کسی نہ کسی طرح حالات سنبھلے رہے یہاں تک کہ بارات آ گئی، اب نکاح کا مرحلہ تھا اور مہر کا سوال اٹھا تو لڑکی کے چچا نے نیت فساد سے مطالبہ کیا کہ مہر ایک لاکھ ہوگا، لڑکے کے والد چونک اٹھے، غالباً کشیدگی کی باتیں ہو چکی تھیں لہٰذا وہ بھی بھرے بیٹھے تھے، انہوں نے کہا مہر ساڑھے بتیس روپے سے ایک ٹکا زیادہ نہیں ہوگا، چچا نے کہا تو آپ تشریف لے جائیں، دولہا کے والد نے اپنے بیٹے کو گالی دے کر کہا ''اٹھ......'' سنا ہے شادی کی تیاری پر دونوں طرف سے روپیہ بے دریغ خرچ کیا گیا تھا۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا، بزرگوں نے بہت کچھ بیچ بچاؤ کی کوشش کی لیکن دونوں طرف سے تندی بڑھتی گئی، آخر کسی نے کہا بھئی بڑے قاری صاحب کا انتظار تو کرلو، بس سب ڈھیلے پڑ گئے، اسی وقت دو بزرگ لپکے ہوئے ابا جان کی طرف آئے، وہ اپنی عادت کے مطابق عشاء کی نماز پڑھ کر آرام کر رہے تھے، یہ قصہ سنا تو دستار باندھ کر ساتھ ہولئے، ان کے پہنچتے ہی محفل میں خاموشی چھا گئی ۔انہوں نے لڑکی کے والد سے پوچھا میاں! کیا قصہ ہے؟ انہوں نے کہا حضور مہر کا سوال ہے، ہم ایک لاکھ کا مہر بندھوانا چاہتے ہیں۔ ابا جان نے دولہا کے والد سے پوچھا آپ کیا کہتے ہیں؟ وہ بولے جناب ساڑھے بتیس روپے مہر ہونا چاہئے ۔ابا جان نے لڑکی کے باپ سے پوچھا عزیز من! یہ بتلاؤ تم زیادہ عزت والے ہو یا تمہارے والد مرحوم زیادہ معزز تھے؟ وہ موصوف بڑے سعادت مند فرزند تھے فوراً بولے حضور سب عزت میرے ابا جان ہی کی ہے، پوچھا تمہاری بیٹی افضل ہے یا تمہاری بہن افضل تھی؟ عرض کیا میری بہن افضل تھی چونکہ وہ والد صاحب قبلہ کی عزت تھی، کہا تو جاؤ گھر میں سے معلوم کرو تمہاری بہن کا مہر کیا تھا؟

وہ خود جا کر پوچھ کر آئے ،فرمایا پھوپھی کے مہر پر بھتیجی کا مہر ہوگا ،اسے "مہر بالمثل" کہتے ہیں۔ دولہا کے والد صاحب سے پوچھا کیوں میاں! آپ کو مہر بالمثل منظور ہے؟ انہوں نے عرض کیا بسر و چشم ،اور یوں یہ پیچیدہ مسئلہ حل ہوگیا ،دلہن کے چچا بہت اینٹھے لیکن شادی بخیر وخوبی انجام پاگئی۔

شہر بھر میں اسی احترام ومحبت سے دیکھے جاتے تھے۔ عموماً دن میں ایک بار صبح کے درس وتدریس کی مصروفیات سے فراغت پا کر بازار جایا کرتے تھے اور پھل اپنی پسند کا خرید کر لاتے تھے۔ میں بھی اکثر ساتھ ہوتا تھا ،جہاں سے گزرتے تھے لوگ خود آگے بڑھ کر سلام کرتے تھے ،اس میں ہندو مسلمان کی تخصیص نہ تھی ،دکاندار اپنی دکانوں سے اتر کر کھڑے ہوجاتے تھے۔ میری ننی سی انا کو اپنے ابا جان کی اہمیت سے بڑی تسکین ملتی تھی۔ اسی طرح حکام میں بڑا رسوخ واعزاز تھا ،ڈپٹی کمشنر اور کمشنر صاحب جب پانی پت آتے تھے تو خاص طور پر پیغام بھیج کر بلواتے اور ملتے تھے اور ان کی رائے کو وقعت دیتے تھے۔ آنریری مجسٹریٹ درجہ دوم کا اعزاز حاصل تھا ،حتیٰ کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں جب محلّہ انصار میں قتل وغارت کا بازار گرم تھا جن ہزاروں مصیبت زدوں نے ہماری خاندانی حویلیوں کے احاطہ میں پناہ لی وہ محفوظ ہوگئے ،جب محلّہ کا انخلاء کروایا گیا تو جب تک ابا جان وہاں سے نہیں نکل گئے شرناتھیوں کو داخلہ کی اجازت نہیں ملی۔ ابا جان اور ان کے ساتھ میں محلّہ انصار سے نکلنے والے آخری افراد تھے ،انہوں نے گھر سے چلتے ہوئے صرف دو چیزیں اٹھائیں ایک بستہ اپنے مسودات کا اور ایک گٹھڑی میں حضرت مرزا مظہر شہید رحمہ اللہ اور حضرت قاضی محمد ثناء اللہ محدث رحمہ اللہ کے تبرکات تھے ،حالانکہ ان کے بکس میں زیورات کا صندوقچہ بھی تھا اور غالباً نقد بھی ہوگا ،لیکن انہوں نے نظر بھر کر بھی اس طرف نہیں دیکھا ،بعد میں مجھے پتہ چلا کہ ان کے بٹوہ میں صرف ایک نوٹ سو روپے کا تھا۔

مزاج کے بہت تیز تھے ،خصوصاً اولاد کے ساتھ۔ سنا ہے بڑے بہن بھائیوں کا لڑکپن بہت سخت گزرا ،خصوصاً بیٹوں کا۔ وہ ان بزرگوں میں سے تھے جو کھلاتے تو سونے کا نوالہ تھے لیکن دیکھتے شیر کی نظر سے۔ میں نے سب سے چھوٹا ہونے کے سبب کوئی سختی نہیں جھیلی لیکن ان کا رعب اس قدر تھا کہ کسی کو نظر ملا کر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی ،نہ کوئی اونچی آواز سے بول سکتا تھا ،لیکن اپنے طلباء کے ساتھ بہت نرم تھے۔ (پانی پت کے قاری)

(جاری ہے)

امداد السائل فی الاحکام و المسائل فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

الاستفتاء

جمعہ کی اذان اول اور قیامِ جمعہ میں وقفہ

سوال یہ تھا کہ جمعہ کے دن اذان اول کے بعد اکثر مساجد میں خطبہ شروع ہونے تک آدھے سے ایک گھنٹے تک وقفہ ہوتا ہے اور اس درمیان بیان بھی ہوتا ہے، شرعاً اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جس کا درج ذیل تفصیلی جواب تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب: جمعہ کے خطبہ سے پہلے تقریر کا متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثبوت ملتا ہے جیسا کہ مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے اپنی تقریر میں آنحضرت ﷺ کی احادیث بیان کیا کرتے تھے۔ جب امام خطبہ کے لئے آتے تو وہ اپنی تقریر موقوف کر دیا کرتے تھے (مستدرک ج ۱ ص ۱۰۸ و ج ۳ ص ۵۱۲) **قال الحاکم رحمہ اللہ و الذهبی رحمہ اللہ صحیح** (ازراہ سنت، مولانا محمد سرفراز خان صاحب)

اسی طرح اسی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کا جمعہ کے دن خطبہ سے قبل وعظ کہنا منقول ہے (ص ۲۸۸ **و قالا صحیح**) اور ''الاصابة فی تذکرة الصحابة ج ۱ ص ۱۸۴'' میں ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے اصرار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اجازت دے دی تھی کہ جمعہ کے دن اس سے قبل کہ میں خطبہ کے لئے آؤں تقریر کر سکتے ہو۔ مستدرک حاکم اور اصابہ میں ذکر کردہ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول خطبۂ جمعہ سے پہلے تقریر و وعظ کہنے کا تھا۔

اور یہ بھی صحیح احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ زوالِ شمس کے بعد جلد نماز جمعہ ادا کر لیتے تھے اور یہی طریقہ خلفاء راشدین کا تھا کہ نماز جمعہ زوال کے بعد جلد پڑھی جاتی تھی۔ صحیح بخاری میں ہے: **عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی الجمعة**

حین تمیل الشمس...... وعنه ایضا قال کنا بفکر بالجمعه ونقیل بعد الجمعه (ص ۱۲۳ ج ۱)

وفي مصنف لعبد الرزاق (۳.۵ ۱۲)عن عطاء قال بلغني ان عثمان كان يجمع ثم نقيل الناس بعد الصلوٰة وفي مصنف لابن ابی شیبه (۲ . ۱۰۶) اخبرنا محمد بن سعد الانصاری عن ابيه قال كنا نجمع مع عثمان بن عفان ثم نرجع فنقيل وفيه ايضا::(۲.۱۰۸) عن ابی رزين قال كنانصلي مع علي رضي الله عنه الجمعه فاحيانا نجد فيئا واحيانا لم نجده اورفقہائے کرام کی عبارات سے بھی راجح یہی معلوم ہوتا ہے۔

وفي الشاميه لكن جزم في الاشباه من فن الاحكام انه لايسن لها الابراد وفي جامع الفتاوی لقاری الهدایه قیل انه مشروع لانها تودی في وقت الظهر وتقوم مقامه وقال الجمهورليس بمشروع لانها تقام بجمع عظيم فتاخيرها مفض الى الحرج ولا كذلك الظهر وموافقه الخلف لاصله من كل وجه ليس بشرط اه (۱.۳٦٧)

اب یہ تو ظاہر ہے کہ جب تک اذان اول جس کی ابتداء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی ہے اس وقت تک تو یہ تقریر اور وعظ یقیناً اذان اور خطبہ سے پہلے ہی ہوتی تھی۔ کیونکہ اذان ثانی اور خطبہ کے درمیان تقریر ووعظ کی نفی صراحۃ اوپر کی روایات سے ہو رہی ہے، ان میں تصریح ہے کہ جب امام خطبہ کے لئے آتا تھا تو یہ تقریر ووعظ موقوف کر دیا جاتا تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں جمعہ میں تکبیر کا لحاظ بھی بہت تھا اکثر لوگ جمعہ میں تکبیر کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے صبح سے ہی مسجد میں آجاتے تھے تو ان کے لئے وعظ وتقریر اذان سے پہلے ہی مناسب تھی۔ لیکن جب لوگوں میں سستی ہوئی تو اذان اول زوال کے وقت لوگوں کو وقت جمعہ بتلانے کے لئے شروع کی گئی تو اب جب کہ زوال کے وقت اذان اول کی ابتداء زوراء پر ہوئی اور اذان ثانی عند المنبر خطبہ سے قبل ہونے لگی تو معلوم نہیں اس وقت یہ تقریر وعظ اذان علی الزوراء سے پہلے ہوتی تھی یا بعد میں۔ لوگوں کے تکاہل اور سستی کو مدنظر کرتے ہوئے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقریر ووعظ اذان علی الزوراء کے بعد ہوتی ہوگی کہ اب تکبیر کی فضیلت کی تحصیل پر لوگ اتنے حریص نہیں رہے تھے کہ اذان سے پہلے خود بخود جمع ہوجاتے

ہوں اس لئے ان کو جمع کرنے اور وقت جمعہ کے اعلان کے لئے ہی تو یہ اذان علی الزوراء شروع ہوئی۔

جب لوگوں کا اجتماع اذان کے بعد ہی ہوتا ہو تو پھر اجتماع سے پہلے تقریر و وعظ کا کوئی فائدہ مقصود نہیں ہے۔ اور اذان سے پہلے اجتماع کا معمول جب زمانِ خیر القرون میں کم ہو گیا تھا تو اب اس کے لئے لوگوں کو تیار کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا، اس لئے ''البلاغ'' (ملاحظہ ہو ماہنامہ البلاغ کراچی شوال ۱۴۱۵ھ) کی یہی تجویز متعین اور سلف کے عمل کے موافق ہے کہ ''اذان اول کے فوراً بعد تقریر شروع ہو جائے اور مختصر تقریر کے بعد خطبہ کے لئے اذان دی جائے اور پھر خطبہ اور نماز پڑھ لی جائے (ص ۵۳)

دوسری تجویز کہ اذان اول تقریر کے فوراً بعد ہو اور اس کے بعد صرف اتنا وقت ہو کہ جو لوگ ابھی مسجد میں نہیں آئے وہ مسجد میں آ کر سنتیں پڑھ سکیں اور اس کے بعد اذان ثانی اور خطبہ و نماز ہو، یہ طریقہ علاوہ اس کے کہ معروف نہیں اور اس پر ہر جگہ اور ہر مسجد کے لوگوں کو جمع کیا جانا مشکل ہے۔ اذان اول سے پہلے لوگوں کا مسجد میں آنا ہی حرص اور دنیا میں انہماک کے زمانہ میں ازبس دشوار ہے۔ سلف کے معمول کے بھی خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اور اذان اول کی مشروعیت سے جو ایذان اور جمعہ کی دعوت تھی اس کے بھی خلاف ہے جمعہ کے لئے اصل داعی اذان ہی ہے اور ''**اذا نودی للصلوٰۃ**'' پر ہی ''**فاسعوا الی ذکر اللہ**'' مرتب ہے اس تجویز ثانی میں اصل داعی وعظ و تقریر ہوگی لوگ اس کے لئے جمع ہوں گے پھر اس صورت میں تقریر و وعظ کا اذانِ اول کے ساتھ اتصال ہوگا جو معمول سلف کے خلاف ہے ان کا معمول تقریر و وعظ کا اذان خطبہ سے پہلے اور اس کے ساتھ اتصال کا تھا، پھر اس صورت میں اذان کا اپنے اصل وقت سے موخر کرنا ہے کیونکہ اس کا اصل وقت ''عند الزوال'' ہے۔ اس تجویز میں پہلے تقریر ہوگی اس کے بعد اذان اول ہوگی، اذان اول کو اپنے وقت زوال پر ہی کہنا چاہئے اس کو اپنی جگہ سے ہٹانا نہیں چاہئے۔ جمعہ کی اذان اول کا وقت زوال سے متصل بعد ہے اس پر عملی توارث چلا آ رہا ہے کتب حدیثیہ فقہیہ میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔ المغنی لابن قدامہ (ج ۲ ص ۲۹۷) میں ہے۔

(۱) ویبدا وجوب السعي الیھا............عند الحنفیة بالاذان الاول

عندالزوال (بحواله الفقه الاسلامي وادلته ج ۲ ص ۱۲۸۱) حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے سعی کا وجوب زوال کے وقت اذان اول سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے: ویجب السعي ويترك البيع بالاذان الاول والواقع عقيب الزوال (ص ۱۷۱ ج ۱) جمعہ کے لئے سعی اور ترک بیع زوال کے بعد اذان اول سے واجب ہوتی ہے۔

(۳) فتح الباری میں علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وتبين بما مضى ان عثمان احدث لاعلام الناس بدخول وقت الصلوة ....(ص۳۹۴ ج۲) سابقہ کلام سے ظاہر ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان اس لئے شروع کی کہ لوگوں کو نماز کے وقت کے شروع ہونے کی اطلاع ہو جائے۔

(۴) معارف السنن میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وبالجملة هذا الاذان كان قبل التأذين بين يدى الخطيب وكان في اول وقت الظهر متصلا بالزوال (ج ۴ ص ۳۹۶)

اذان اول خطیب کے سامنے اذان سے پیشتر اور ظہر کے اول وقت میں زوال کے ساتھ متصل ہوتی تھی (از نور مدینہ لاہور) مذکور بالا حوالہ جات میں فتح الباری کی عبارت سے واضح ہے کہ اذان اول کی مشروعیت کی غرض ہی یہ بتلائی گئی ہے کہ لوگوں کو نماز جمعہ کے داخل ہونے کی اطلاع ہو جائے اور دوسرے حوالوں میں بھی اس اذان کو "عندالزوال" "عقب الزوال" کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جس سے واضح ہو رہا ہے کہ اس اذان کا اصل وقت زوال کے فوراً بعد متصل ہی ہے، کیونکہ عرف میں "عند" اور "عقب" کو گھنٹہ کے بعد کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا ہے اور علامہ بنوری رحمہ اللہ نے تو "في اول وقت الظهر متصلا بالزوال" لکھ کر کسی احتمال کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔

اس لئے جن مساجد میں اذان اول کو اس کے اصل وقت سے موخر کر کے کہنے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اس کو ختم کر دینا ضروری ہے کیونکہ یہ عمل توارث اور تصریحات سلف کے خلاف ہونے کے ساتھ اس اذان کی غرض مشروعیت کے بھی خلاف ہے کما مر اس لئے پہلی تجویز پر عمل کرنا چاہئے اذان

اول ظہر کے وقت شروع ہوتے ہی کہہ دی جایا کرے اور پندرہ بیس منٹ کا وقفہ نمازیوں کے مسجد میں آنے اور وضوء وغیرہ کے لئے مختص کر دینے کا اعلان کر دیا جائے۔ اس کے بعد آدھ گھنٹہ مختصر ضروری وقتی مسائل پر مشتمل وعظ ہو جایا کرے، پھر اذان ثانی خطبہ اور نماز ہو جایا کرے، لمبی چوڑی تقریروں اور بے ضرورت مضامین بیان کرنے کا جو رواج ہو گیا اس کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ کرنے اور توجہ دلانے کی ضرورت ہے نہ یہ کہ اصل وعظ وتقریر ہی کو بند کر دیا جائے، یا عمل توارث سلف سے ہٹ کر نیا طریقہ جاری کیا جائے۔

آج کل تعلیم یافتہ طبقہ اور مغربی تہذیب کا دلدادہ گروہ چاہتا ہے کہ ہر ہفتہ جو کلمہ خیر عام مسلمانوں کے کانوں میں خطبہ جمعہ سے پہلے پڑجاتا ہے اس کا موقع نہ رہے حالانکہ ان مواعظ سے بہت بڑے طبقہ کی اصلاح ہو رہی ہے اور بکثرت مسلمان اس سے استفادہ کرکے اپنے عقائد واعمال کی اصلاح کرتے ہیں اور یہ بھی ہفتہ وار تبلیغ عام اور عوامی اصلاح کا پروگرام ہے، مگر ہر چیز میں حدود شریعت کی پابندی اور اعتدال کا لحاظ ضروری ہے اور غلو سے احتیاط کرنا لازم ہے، خطباء اور مبلغین وواعظین کو اپنے منصب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

اگر حدود شریعت میں رہتے ہوئے ہمارے خطباء اس پر عمل کریں تو یہ "یتخولنا بالموعظة" پر امتثال کا ذریعہ ہو سکتا ہے آزاد طبقہ اس کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اور کئی قسم کے اعتراضات سے اس عمل خیر پر قدغن لگانا چاہتا ہے اصل یہ ہے کہ وہ علماء کرام اور خطباء عظام کی بات سننا گوارا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں اور ہمیں اپنی اور سب مسلمانوں کی اصلاح کی توفیق نصیب فرمائیں۔

واللہ اعلم

محمد فہیم ترمذی

نعت رسول مقبول ﷺ

عمرِ فانی میں کوئی کام تو ہو کام کا بھی
چمنِ نعت میں اِک گُل ہو مرے نام کا بھی

نعت میں ذہن کی یکسوئی بھی لازم ہے مگر
کچھ نہ کچھ دخل تو ہوتا ہے اِلہام کا بھی

تیری یادوں کے سوادِل کی حقیقت کیا ہے
مئے سے خالی ہو تو کیا کیجئے پھر جام کا بھی

اللہ اللہ ! ترے صحنِ حرم کا منظر
کیسا دِلکش ہے یہاں حُسن سیہ فام کا بھی

سبز گنبد کے احاطے میں یہ جی چاہتا ہے
سلسلہ بند ہو اب گردشِ اَیّام کا بھی

صبحِ طیبہ کے سوا اور نہیں کچھ بھی علاج
رنج میں ڈوبی ہوئی درد بھری شام کا بھی

نگہِ خاص کا ہے خاص طلب گار فہیم
مستحق گر چہ نہیں ہے نگہِ عام کا بھی

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

اخبار الجامعہ

۲/محرم الحرام: صدر جامعہ نے جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا میں شوریٰ کے اجلاس میں شرکت فرمائی۔

۴/محرم الحرام: مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ مبارے خان تحصیل ساہیوال میں تکمیل حفظ قرآن کے موقع پر خطاب فرمایا۔

۶/محرم الحرام: جامعہ فتحیہ امدادیہ سلانوالی میں ماہانہ درس قرآن کریم ہوا۔

۱۰/محرم الحرام: جامعہ حقانیہ میں تخصص فی الفقہ کے طلباء کو حدیث مسلسل بیوم العاشوراور چند دیگر مسلسلات کی اجازت مرحمت فرمائی، اور ظہر کے بعد جامعہ کے شعبہ للبنات میں درجہ عالیہ کی طالبات کو بھی ان مسلسلات کی اجازت عطافرمائی۔

۱۵/محرم الحرام: سرگودھا میں قاری محمد اجمل صاحب کے صاحبزادہ کے تکمیل حفظ قرآن مجید کے موقع پر بیان فرمایا اور دعا کرائی۔

۱۸/محرم الحرام: مدرسہ بنۃ العلوم للبنات سرگودھا تکمیل حفظ قرآن مجید کے موقع پر بیان فرمایا۔

۱۹/محرم الحرام: جامع مسجد صدیق اکبر چنیوٹ میں مغرب کے بعد درس قرآن کریم دیا۔

۲۴/محرم الحرام: گجرانوالہ تحصیل ساہیوال میں درس قرآن کریم دیا۔

جامعہ حقانیہ کے متخصص مولانا محمد فیروزالدین شاہ صاحب اور راقم الحروف نے ایم۔اے علوم اسلامیہ میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔

اور بحمداللہ راقم الحروف کو اپنے تحریر کردہ مقالہ "احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج، تحقیقی جائزہ" میں پنجاب یونیورسٹی کے تحت ایم۔اے اسلامیات میں لکھے گئے مقالات میں سب سے زیادہ نمبر حاصل ہوئے۔

جامعہ میں درجہ کتب کا سہ ماہی امتحان ان شاءاللہ کیم صفر تا ۵/صفر ہوگا۔اور درجہ تحفیظ القرآن الکریم کا امتحان ان شاءاللہ ۵/صفر کو ہوگا۔